جولائی ۱۹۹۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

"متاع غرور"

دنیا کی زندگی کی حقیقت، قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

ان شاء اللہ العزیز ـــــــ نئے تعلیمی سال سے

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام' ماڈل ٹاؤن لاہور میں

قرآن کالج فار گرلز

(چھٹی کلاس سے ایف اے تک)

کا اجراء حسب اعلان کیا جارہا ہے۔

* فرسٹ ایئر میں داخلے میٹرک کا رزلٹ آنے کے فوراً بعد شروع ہو جائیں گے۔
* سکول و کالج کے مروجہ نصاب کے علاوہ دینی تعلیم و تربیت کا بھی مناسب اہتمام ہو گا۔
* کالج کے ساتھ ہاسٹل کی سہولت موجود نہیں ہے' لہٰذا بیرون لاہور سے صرف وہی بچیاں داخلہ کی درخواست دیں جن کے لئے لاہور میں اپنے طور پر قیام کی مناسب سہولت موجود ہو۔
* مزید تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب فرمائیں۔

نوٹ : اس سال صرف ایف اے سال اول میں داخلے دیئے جائیں گے' جبکہ چھٹی' ساتویں اور آٹھویں کلاس میں داخلوں کا آغاز آئندہ سال سے ہو گا۔

المعلن : **ناظم قرآن کالج** 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

فون : 03-5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

41/16/36

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۸
شمارہ :	۷
ربیع الاوّل	۱۴۲۰ھ
جولائی	۱۹۹۹ء
فی شمارہ	۱۰/۔
سالانہ زرِ تعاون	۱۰۰/۔

لائبریری
★ قرآن اکیڈمی ★

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ______ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ______ ۸

بھارتی جارحیت کے خلاف اللہ کی نصرت کے حصول کی اولین شرط

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ متاع غرور ______ ۱۵

دنیا کی زندگی کی حقیقت' قرآن و حدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ نماز میں خشوع (۲) ______ 38 [illegible]

حقیقت و اہمیت اور اسباب

ترجمہ : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

☆ فکر عجم (۱۸) ______ ۵۱

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ تعارف کتب ______ ۶۱

○ سایۂ مصطفیٰ ﷺ (قاضی عبد الدائم دائم)

○ التحقیق الصحیح (قاضی محمد صدر الدینؒ)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ گوشہ خواتین ______ ۷۴

اسلام اور فیشن

نفیسہ رحمٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

ملکی افق پر جنگ کے سائے دبیز سے دبیز تر ہو رہے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ کارگل سیکٹر سے شروع ہونے والی جھڑپیں ایک بڑی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ بڑی جنگ چھڑنے کے نتائج و عواقب کس درجے سنگین ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ ہر باشعور پاکستانی بخوبی کر سکتا ہے۔ ہمیں بحیثیت قوم جہاں ایک جانب ہر طرح کی صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طور پر تیار اور چوکس رہنا ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ متوقع جنگ کو ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے ہم بحیثیت قوم اللہ کی رحمت و نصرت کے امیدوار بننے کی کم از کم شرائط کو بھی پورا نہیں کرتے۔ اس موضوع پر امیر تنظیم اسلامی کے اہم خطاب کی تلخیص بطور تذکرہ و تبصرہ زیر نظر شمارے میں شائع کی جا رہی ہے۔ ذیل میں موجودہ سنگین صورتحال کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی کا اخبارات کے لئے جاری کردہ تازہ ترین بیان ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے :

"پاکستان اور بھارت کے افق پر جو تھی جنگ کے بادل روز بروز زیادہ گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ آج ہی کے اخبارات میں سابق وزیر خارجہ پاکستان جناب آغا شاہی کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ ہم اس وقت "پل صراط" پر کھڑے ہیں۔

کارگل سیکٹر میں کشمیر کے مجاہدین حریت اور ان کے دیگر اعوان و انصار نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے اس سے فطری طور پر پاکستان کے مسلمان عوام کے سر بھی فخر سے بلند ہو گئے ہیں! —— اور اکثر محب قوم و وطن حلقوں کی جانب سے دینی و قومی غیرت و حمیت کے حوالے سے حکومت پاکستان پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کسی اقدام سے کمزوری کا اظہار نہ ہونے دے اور کسی بھی طرح کے "کچھ لو اور کچھ دو" کے انداز کے معاہدے سے مجاہدین کی قربانیوں اور شہداء کے خون سے غداری کی مرتکب نہ ہو' خواہ بھارت اور پاکستان کے مابین بھرپور جنگ واقع ہو جائے' حتیٰ کہ ایٹمی اسلحہ تک کے استعمال کی نوبت آ جائے۔ اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ' جیسے کہ اس طرح کے مواقع پر عام طور پر ہوتا ہے' جوش کی شدت میں ہوش کا دامن ہاتھ سے بالکل چھوٹ رہا ہے!

پاکستان اور بھارت کے مابین کھلی اور بھرپور جنگ کس قدر تباہی اور بربادی پر منتج ہو سکتی ہے —— اور خاص طور پر اگر خدانخواستہ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال تک کی نوبت آ گئی تو اس کے کس قدر ناقابل تصور اور ہولناک نتائج نکلیں گے —— اس سے قطع نظر کچھ توجہ اس بات کی جانب بھی دینا ضروری ہے کہ کہیں ہم کسی عظیم عالمی سازش کا شکار تو نہیں ہو رہے! اس ضمن میں یاد ہو گا کہ سب سے پہلے عراق کے صدر صدام حسین نے کہا تھا کہ یہ جنگ امریکہ کی سازش کا مظہر ہے —— پھر لندن سے شائع ہونے والے ماہنامہ "امپیکٹ" کے سیاسی تجزیہ نگار نے لکھا کہ کشمیر میں موجودہ پاک بھارت کشیدگی اور لائن آف کنٹرول کے دونوں جانب

سے ایک دوسرے پر گولہ باری عالمی قوتوں کی شہ پر ہو رہی ہے تاکہ ایک بڑے تصادم کے نتیجے میں پاکستان کو کمزور کر کے اس سے جبراً ایٹمی پروگرام بھی ختم کرالیا جائے اور کشمیر پر بھی کوئی کیمپ ڈیوڈ کی قسم کا معاہدہ کرا دیا جائے —— لیکن ان سب سے بڑھ کر پاکستان کے ایک انگریزی روزنامے نے اپنی ۲۱/جون کی اشاعت میں اس رپورٹ کا جو خلاصہ شائع کیا ہے جو امریکہ کے نیم سرکاری ادارے "رینڈ کارپوریشن" نے اب سے ایک سال قبل بیجنا گون کے لئے تیار کی تھی وہ تو بہت ہی چشم کشا اور قابل توجہ ہے۔ اسے پڑھ کر تو یاد آیا کہ جس طرح ۱۹۷۹ء میں ایرانی شہنشاہیت کے خاتمہ کا ایک نقشہ ایک سال قبل شائع ہونے والے ناول "کریش آف ۷۹ء" میں کر دیا گیا تھا' بالکل اسی طرح رینڈ کارپوریشن نے جو سیناریو آج سے ایک سال قبل تیار کیا تھا حالات حیرتناک حد تک بعینہٖ اسی رخ پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں —— اور اگر خدانخواستہ اسی طرح بڑھتے چلے گئے تو رینڈ کارپوریشن کے تیار کردہ سیناریو کے مطابق آخری ڈراپ سین یہ ہو گا کہ ایٹمی اسلحہ کے استعمال کے "جرم عظیم" کی پاداش میں تمام عالمی قوتیں ہمارے خلاف مجتمع ہو جائیں گی اور امریکی افواج برصغیر میں اپنے پنجے جمالیں گی —— رینڈ کارپوریشن نے تو اس آخری ڈراپ سین میں بھارت اور اور پاکستان دونوں کو برابر کا شریک قرار دیا ہے' لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ایسی کسی صورتحال میں اصل نزلہ پاکستان ہی پر گرے گا اس لئے بھی کہ وہ عضو ضعیف کی حیثیت رکھتا ہے —— اور اس لئے بھی کہ اس کے عوام میں اسلامی فنڈامنٹلزم کے جراثیم پائے جاتے ہیں جو نیو ورلڈ آرڈر کے لئے سب سے بڑھ کر قابل حذر ہیں!

اندریں حالات پاکستان کے لئے اس وقت بہترین پالیسی یہ ہو گی کہ موجودہ کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے بھارت سے اس اصول پر سمجھوتہ کر لے کہ جو کام اس نے دس بارہ سال قبل سیاچین میں کیا تھا' خود اس کے بقول وہی کام پاکستان نے کارگل میں کر لیا ہے۔ لہٰذا عوض معاوضہ گلہ ندارد کے اصول کے مطابق اب بھارت اپنی فوجیں سیاچین سے اتار لے تو پاکستان بھی مجاہدین سے کہے گا کہ وہ کارگل کی چوٹیاں خالی کر دیں —— اور پھر دونوں ممالک دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل نکالیں۔ بصورت دیگر شدید اندیشہ ہے کہ ہم اپنی اس خداداد ایٹمی صلاحیت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جو صیہونیت اور اس کی آلہ کار قوتوں کی آنکھوں اور دلوں میں خار کی طرح کھٹک رہی ہے —— العیاذ باللہ!

☆ ☆ ☆

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ —— پیش رفت

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے ضمن میں اب تک کی پیش رفت یہ ہے کہ حسب اعلان ۶/جون

کو محاذ کی مجلس شوریٰ کا پہلا باضابطہ اجلاس ہوا جس میں طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق محاذ میں شامل چاروں جماعتوں کے تین تین نمائندوں نے شرکت کی' جبکہ پاکستان شریعت کونسل جس کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی صاحب ہیں' کی جانب سے بھی دو نمائندے بطور مبصر اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ دستور کمیٹی نے محاذ کے دستور کا جو خاکہ مرتب کیا تھا اسے اجلاس میں پیش کیا گیا جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔

اس اجلاس میں عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو واضح اکثریت سے محاذ کا صدر منتخب کیا گیا۔ نائب صدر کے طور پر تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان کا انتخاب عمل میں آیا' جبکہ ناظم مالیات کے طور پر مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ناظم تعلیمات جناب مولانا محمد مبشر مدنی کا تقرر ہوا۔ بعد ازاں محاذ کے دستور کے مطابق معتمد اور ناظم نشر و اشاعت کا تقرر محاذ کے صدر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مجلس شوریٰ کے مشورہ سے کیا۔ ڈاکٹر عبدالخالق (تنظیم اسلامی) کو معتمد اور پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن (تحریک اسلامی) کو ناظم نشر و اشاعت مقرر کیا گیا۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ فوری طور پر لاہور میں ایک بڑا سیمینار منعقد کیا جائے جس میں چاروں جماعتوں کا اکابرین شریک ہوں اور عوام الناس کو محاذ کے متفق علیہ نکات سے آگاہ کریں۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اس فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے ۳ جولائی کو بعد دوپہر المرابال نمبر ایک میں جلسۂ عام کا پروگرام طے کر لیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ایک بھرپور جلسہ ہو گا جس کے ذریعے اس محاذ کا تعارف وسیع تر حلقے میں ہو سکے گا۔

محاذ کا دستور جسے ۶ جون کے اجلاس میں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا' سطور ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

دستور متحدہ اسلامی انقلابی محاذ

دفعہ نمبر ۱ : نام

نام : اس کا نام متحدہ اسلامی انقلابی محاذ ہو گا۔

دفعہ نمبر ۲ : مقصد

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کشاکش اقتدار سے کنارہ کش رہتے ہوئے قرآن حکیم کی ابدی ہدایت "اور تم سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے' نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے"۔ (آل عمران : ۱۰۴) کے بموجب -- اور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ اور منہاج اقدس کے مطابق دعوت و تبلیغ

کے ذریعے لوگوں کے نظریات و خیالات کو دین کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ بنانے' اور تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان کے اخلاق و اعمال کو دین کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی و جہد کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ الحاد و زندقہ' فواحش و منکرات' معاشرے کے کمزور طبقات یعنی خواتین اور بچوں پر ظلم و تشدد اور ان پر مستزاد عمومی سیاسی جبر و استبداد اور معاشی ظلم و استحصال کے خلاف باصطلاح حدیث نبویؐ زبان سے جہاد کا آغاز تو فی الفور کر دے گا' اور کوشش کرے گا کہ اتنی معتدبہ قوت فراہم ہو جائے کہ ہاتھ یعنی طاقت کے ساتھ بھی جہاد کیا جا سکے۔ تا آنکہ سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظام عدل اجتماعی قائم اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے' یا اللہ ہمیں اسی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما دے!

دفعہ نمبر ۳ : شرائط شمولیت

(i) اس محاذ میں سیکولر نظریات یا مزاج کی حامل کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہو سکے گی۔
(ii) خالص دینی و مذہبی جماعتیں خواہ کبھی بھی مسلک کی حامل ہوں' اس میں شامل ہو سکیں گی۔
(iii) اس میں صرف وہ دینی جماعتیں شامل ہو سکیں گی جن کی تنظیم پورے ملک میں معروف ہو۔
(iv) محاذ میں کسی نئی جماعت کی شمولیت پہلے سے شامل جماعتوں کے اتفاق رائے سے ہو گی۔
(v) محاذ اصلاً جماعتوں پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اہم افراد معاونین کی حیثیت سے شامل ہو سکیں گے' جو مشورے تو دے سکیں گے لیکن فیصلوں میں شریک نہیں ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۴ : عہدیداران اور ان کا تقرر

ابتداءً پانچ عہدیداران ہوں گے۔ البتہ بعد میں ضرورت داعی ہوئی تو مزید عہدیداروں کا تقرر ہو سکے گا۔

(ا) ۱۔ صدر : صدر کا انتخاب بذریعہ خفیہ رائے دہی عمل میں آئے گا اور وہ شوریٰ کے کل ارکان کی اکثریت سے منتخب ہو گا۔

۲۔ نائب صدر : نائب صدر کا انتخاب بذریعہ خفیہ رائے دہی عمل میں آئے گا اور وہ شوریٰ کے کل ارکان کی اکثریت سے منتخب ہو گا۔

۳۔ معتمد : اس کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا۔

۴۔ ناظم مالیات : اس کا انتخاب بھی بذریعہ خفیہ رائے دہی سے ہو گا اسے شوریٰ کی اکثریت منتخب کرے گی۔

(نوٹ صدر اور ناظم بیت المال دو مختلف جماعتوں سے ہوں گے)۔

۵۔ ناظم نشر و اشاعت : اس کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا۔

(ب) محاذ کے عہدیداران کا تقرر سالانہ ہو گا۔ تاہم کسی عہدیدار کی غیر اطمینان بخش کارکردگی (وہ عہدیدران جن کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوا ہو گا) کی صورت میں مجلس شوریٰ کی دو تہائی اکثریت کی رائے کی بنا پر دوران سال بھی کیا جا سکے گا۔

دفعہ نمبر ۵ : لائحہ عمل

محاذ کے طے شدہ مقاصد کے حصول کی خاطر مشترکہ جلسے۔ نہی عن المنکر کے حوالے سے پرامن اور منظم مشترکہ مظاہرے' نیز دعوتی پمفلٹ و پوسٹرز استعمال کئے جائیں گے۔ ☆

دفعہ نمبر ٦ : اختلاف کے حقوق و آداب

۱۔ محاذ میں شامل کوئی تنظیم کسی دوسری رکن تنظیم پر تنقید کے لئے ذرائع ابلاغ یا پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ نہیں بنائے گی۔

۲۔ محاذ کے کسی فیصلے سے پہلے کوئی شریک تنظیم محاذ کے حوالے سے کوئی بیان نہیں دے گی۔

۳۔ محاذ کی پالیسی نیز رکن تنظیموں کے مابین اختلافات (اگر کوئی ہوں تو) اجلاس شوریٰ میں زیر بحث آسکیں گے تاہم اجلاس شوریٰ میں بھی مسلکی اختلافات زیر بحث نہیں آئیں گے۔

دفعہ نمبر ۷ : نظام مشاورت : شوریٰ

۱۔ ہر رکن تنظیم کے تین تین افراد (جن کو رکن تنظیم از خود نامزد کرے گی) شوریٰ میں شامل ہوں گے۔ ہر تنظیم اپنے ارکان شوریٰ کو تبدیل کرنے کی مجاز ہوگی تاہم اس کی تحریری اطلاع محاذ کے معتمد کو دینے کی پابند ہوگی۔

۲۔ سوائے انتخاب / معزولی کے تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوں گے۔

۳۔ ہر اہم موقع پر کوئی بھی شریک تنظیم محاذ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانے کی فرمائش کر سکے گی۔ جس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانا محاذ کے معتمد کی ذمہ داری ہوگی۔

دفعہ نمبر ۸ : نظام مالیات

۱۔ معمول کے اخراجات کے لئے ہر جماعت کم از کم دو ہزار روپے ماہانہ زر تعاون پیش کرے گی۔

۲۔ محاذ کا بینک اکاؤنٹ صدر' ناظم بیت المال اور معتمد کی مشترکہ تحویل میں ہوگا۔ ان میں سے کسی دو حضرات کے دستخطوں سے رقوم نکالی جا سکیں گی۔

۳۔ ہنگامی ضروریات کے لئے رکن تنظیموں سے مزید تعاون کی اپیل کی جائے گی نیز ضرورت متقاضی ہوئی تو عمومی چندے کی اپیل بھی کی جا سکے گی۔

☆ ۱۔ محاذ میں شریک تنظیمیں اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اپنے طریق کار کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوں گی۔ البتہ کوشش کی جائے گی کہ مختلف دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں بھی اشتراک عمل ہو تاکہ کارکنوں کے مزاجوں میں زیادہ سے زیادہ قرب اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

۲۔ اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ کسی رکن تنظیم کا کوئی عملی قدم محاذ کی مجموعی پالیسی سے متصادم نہ ہو۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

بھارتی جارحیت کے مقابلہ کے ضمن میں
اللہ کی نصرت کے حصول کی اوّلین شرط

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

برّعظیم پاک و ہند کے افق پر پاکستان اور بھارت کے درمیان چوتھی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں اور اس وقت بھارت کو مقبوضہ کشمیر کے کارگل سیکٹر میں انتہائی خِفّت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بھارت نے طاقت کے زعم میں پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی جس کے جواب میں پاکستان نے اس کے دو مگ طیارے مار گرائے۔ یہ بات اپنی جگہ پر ایک حقیقت واقعہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین کسی محدود خطے میں ہونے والی جنگ میں ہمیشہ پاکستان کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ اس کی اوّلین مثال ۱۹۴۸ء کی غیر اعلانیہ جنگ تھی، جس کی وجہ سے بھارت کو گھبراہٹ کے عالم میں اقوامِ متحدہ کے پاس جانا پڑا اور کشمیر میں استصوابِ رائے کا وعدہ کر کے وہ بمشکل اپنی جان بچا سکا۔ اسی طرح رن آف کچھ کے میدان میں بھی بھارت کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ محدود جنگ میں بھارت کی عسکری میدان میں عددی برتری بروئے کار نہیں آسکتی، جبکہ اس کے مقابلے میں پاک فوج کے سپاہیوں اور درمیانے درجے کے افسروں میں جہاد کا جذبہ بھی ہے اور ذوق شہادت بھی۔ چنانچہ اگر جذبے کا جذبہ سے موازنہ و مقابلہ ہو تو بھارت کے مقابلے میں پاکستان کو واضح برتری حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدود پیمانے پر پاکستان کے ساتھ جنگ میں لازماً بھارت کو ہزیمت، خفت اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس صورتحال میں بھارت کے پاس واحد لائحہ عمل یہ رہ جاتا ہے کہ وہ اس محدود جنگ کو پورے علاقے تک پھیلا دے کیونکہ اس صورت میں بھارت کی عددی برتری اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی غالب آبادی بھی بھارت کے خلاف مزاحمت کر رہی ہے۔ ان حالات میں اس بات کا شدید اندیشہ موجود ہے کہ بھارت پاکستان پر حملہ

آور ہو جائے۔ چنانچہ اب اگر بھارت اور پاکستان کے مابین بھرپور جنگ برپا ہو جاتی ہے تو پاکستان تین اعتبارات سے بھارت کے مقابلے میں کم تر ہے۔ ایک یہ کہ بھارت کے ساتھ ہماری دفاعی سرحد چونکہ بہت طویل ہے' لہٰذا یہاں مناسب تعداد میں فوج کو دفاعی مقاصد کے لئے ہمہ وقت چوکس رکھنا ہماری موجودہ دفاعی قوت کو نہ صرف منتشر کرنے کا باعث ہو گا بلکہ اتنی طویل سرحد پر سپلائی لائن کو برقرار رکھنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جغرافیائی اعتبار سے ہماری گہرائی (depth) بہت کم ہے جو دفاعی نقطۂ نگاہ سے تشویش کا باعث ہے۔ پاکستان کی کل چوڑائی شمال مشرق سے جنوب مشرق تک قریباً دو سو میل چوڑی پٹی کی مانند ہے اور ہماری پوری کی پوری لائف لائن بھی سرحد کے ساتھ ساتھ ہی گزرتی ہے۔ سندھ کا بالائی علاقہ جسے دفاعی اعتبار سے "پاکستان کا سافٹ بیلی" کہا جاتا ہے' وہاں خیرپور اور بہاولپور کے علاقوں میں ہماری ریلوے لائن اور دیگر تنصیبات پاک بھارت سرحد سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اگر بھارت معمولی سی پیش قدمی کر کے اس علاقے پر قابض ہو جائے تو پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا رابطہ ملک میں ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا دونوں ممالک میں محدود جنگ کے نتائج پاکستان کے حق میں ہوں گے جبکہ پورے خطے میں جنگ پھیل جانے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ بھارت کا پلڑا بھاری ہو گا۔

بھارتی وزیراعظم مسٹر واجپائی نے حالیہ خطاب میں یہ کہا ہے کہ "ہمیں قوی اُمید ہے کہ پاکستان ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی حماقت نہیں کرے گا"۔ بھارتی وزیراعظم کے اس بیان کے پس پردہ یہ حقیقت جھلکتی ہے کہ بھارت جنگ کو پورے خطے تک وسیع کرنے کے لئے پر تول رہا ہے۔ لہٰذا موجودہ صورتحال میں اس بات کا قوی اندیشہ موجود ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جنگ کا میدان گرم ہو جائے ؎

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دُعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

اقبال کے اس شعر کے مصداق میری دعا تو یہی ہے کہ دونوں ممالک کے مابین جنگ نہ ہو کیونکہ یہ جنگ بڑی تباہ کن اور خوفناک ہو گی۔ تاہم تلخ حقائق کو نظرانداز کرنے کا رویّہ بھی درست نہیں ہے ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ!

بہرحال ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر دونوں ممالک کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو اس ضمن میں کیا ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہو گی؟ میں قطعی یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اِس وقت بحیثیتِ قوم ہم اللہ کی مدد و نصرت کے مستحق نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ یہ ملک ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا' نصف صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود یہاں سودی نظام نافذ العمل ہے اور یوں ہم اللہ اور رسولؐ کے خلاف حالت جنگ میں ہیں۔ حال ہی میں سود پر جوئے کی لعنت کا اضافہ کر کے ﴿ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ کا طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے۔ جس قوم نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اس درجہ اپنے رگ وپے میں سرایت اور پیوست کر رکھا ہو وہ اللہ کی مدد کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے! اسی طرح قرآن و سُنّت کی بالادستی کا معاملہ ابھی تک معلق ہے' نتیجتاً پاکستان کا دستور منافقت کا بہت بڑا پلندہ بن چکا ہے کہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار بھی موجود ہے مگر بالفعل طاغوت کی حکمرانی ہے اور پرنالہ وہیں کا وہیں بہہ رہا ہے اور اسلام کا معاملہ "ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی ہزاروں سفارشات ردی کی ٹوکری کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی تو اس پر کئی طرح کی قدغنیں لگا دی گئیں' اس کے علماء ججوں کا دیگر ججوں کے مقابلے میں رتبہ بھی کم رکھا گیا۔ لہٰذا اِن وجوہ کی بناء پر قرارداد مقاصد' اسلامی نظریاتی کونسل' وفاقی شرعی عدالت' اور دفعہ ۲۲۷ سمیت سب کچھ عملاً غیر مؤثر ہے۔ اب خدا خدا کر کے قرآن و سُنّت کی بالادستی کے لئے ۱۵ ویں ترمیم تو لائی گئی ہے مگر اس کی ساتھ "فاشزم" کے جراثیم بھی ملحق کر دیئے گئے ہیں۔ ان حالات میں ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ہرگز مستحق نہیں رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف سے مہلت عطا فرما دے۔ بقول شاعر ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا!

اگر بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری کا اظہار ہو سکتا ہے تو اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک اپنی رسی کو کھینچ بھی لیتا ہے۔ بنی اسرائیل کو بھی اسی

طرح کا زُعم تھا کہ وہ خود کو اللہ کے چہیتے اور لاڈلے سمجھتے تھے مگر انہیں بار بار اللہ کی پکڑ سے دوچار ہونا پڑا۔ بالکل یہودی کی طرح امت مسلمہ بھی کئی مرتبہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آ چکی ہے۔ سپین کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ بوسنیا کے بعد کوسوو میں مسلمانوں کی نسل کشی کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ یہ علاقہ یورپ کا جنوب مغربی کنارہ ہے جبکہ سپین یورپ کا شمال مشرقی کونا تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ﴾ "اے انسان تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے تیرے رب کی شانِ کریمی کے حوالے سے"۔ اللہ تعالیٰ جہاں غفور اور رحیم ہے وہیں وہ شدید انتقام لینے والا بھی ہے' لہٰذا اس کی مصلحت میں ابھی ہمارے لئے کچھ اور مہلت باقی ہو اور وہ ہم پر کرم فرمائی کر کے ہمیں ماضی کی طرح بچا لے تو کچھ عجب نہیں' مگر ہم اپنے طرز عمل کی وجہ سے قطعاً اللہ کی مدد کے مستحق نہیں ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں پاکستانی حکومت کا اخلاقی اور سفارتی مدد کے سوا کوئی اور کردار نہیں اور اس جدوجہد آزادی میں اگر کچھ پاکستانی شریک بھی ہیں تو وہ اپنی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں سورۃ النساء کی آیت ۷۵ کے حوالے سے وہاں جدوجہد کر رہے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے "اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ مسلمانوں کے بوڑھے مرد' عورتیں اور بچے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ پروردگار ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال لے اور ہماری اپنے خصوصی فضل سے غیبی مدد فرما" تو یہ بالکل علیحدہ معاملہ ہے۔ ایسی صورتحال میں پاکستان کو بھارت پر واضح اخلاقی برتری حاصل ہے لیکن اگر حکومتی موقف کے برعکس پاکستان کی افواج یا حکومتی ایجنسیوں کا مقبوضہ کشمیر میں باقاعدہ عمل دخل موجود ہو اور یہ ادارے مجاہدین کشمیر کو اسلحہ بھی فراہم کرتے ہوں' اور ان کو تربیت دے رہے ہوں تو پھر ہمارے پاس اخلاقی قوت کیونکر ہو سکتی ہے؟ باقی جہاں تک مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے جہاد کا تعلق ہے' اپنی جگہ یہ یقیناً ایک بہت بڑا کارِ خیر ہے' لیکن ہمارے لئے جہاد کا اصل اور اوّلین ہدف ہمارا اپنا ملک ہے کہ اسے اسلام کا گہوارہ بنائیں' کیونکہ جب تک پاکستان میں باطل نظام کا غلبہ ہے' سودی نظام کی

حکمرانی ہے اور ہم دنیا کے طاغوتِ اعظم کے چاکرِ اعظم بنے ہوئے ہیں' تاہم سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کے مخاطب نہیں ہو سکتے' ہم جو لوگ خود کو اس آیت کا مصداق سمجھ کر وہاں جہاد کر رہے ہیں اپنی نیت کے مطابق اس کا پھل پالیں گے۔

اگر ہم قومی و ملکی سطح پر فی الواقع اہل کشمیر کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو پھر سورۃ الانفال کی ہدایت کے مطابق ہمیں بھارت کے ساتھ اپنے سفارتی' تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو ختم کر کے بیانگ دہل اعلان جنگ کرنا چاہئے!

میری رائے میں اس وقت حکومت پاکستان کی طرف سے بھارت کے ساتھ اختیار کردہ رویّہ کمزوری کا مظہر ہے۔ ہماری حکومت کا یہ رویہ اخلاقی قوت کے فقدان کا سبب ہے۔ بھارت کی جانب سے فضائی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے طیاروں کو گرا لینا آبرومندانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا۔ لیکن اب بھارتی حکومت کے بار بار انکار کے باوجود وزیر خارجہ سرتاج عزیز کو مذاکرات کے لئے بھارت بھجوانے کی "عاجزانہ" پیش کش حکومت کی واقع کمزوری کا اظہار ہے ؎

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
ان کا یہ حکم دیکھ مرے فرش پر نہ رینگ!

اسی طرح کا معاملہ بھارت کے گرفتار پائلٹ کی واپسی کا ہے۔ بھارت کی طرف سے پائلٹ کی واپسی کے مطالبہ کے جواب میں حکومت پاکستان کے واضح انکار کے چند ہی دنوں بعد اس بھارتی پائلٹ کو غیر مشروط طور پر ریڈ کراس کے حوالے کر دینا شکست خوردہ ذہنیت کا مظہر ہے جبکہ بھارتی سفارت خانہ اپنے پائلٹ کو واپس لینے کے لئے تیار بھی نہ تھا۔

ان حالات میں میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اب بھی موقع ہے کہ ہم خلوص نیت کے ساتھ توبہ کریں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ قومِ یونس کی طرح ہماری بھی اجتماعی توبہ کو قبول فرمالے۔ کیونکہ ملک و قوم کو درپیش مشکل کی اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل کرنا ہمارے لئے لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حصول کی اولین شرط یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم اجتماعی توبہ کریں' جس کی عملی صورت کے طور پر حکومت کو فوری طور پر چار اقدامات کرنے ہوں گے :

۱) حکومت فی الفور بینکوں کی طرف سے جاری کردہ انعامی سکیموں پر پابندی کا

اعلان کرے۔

۲) سودی نظام کے خاتمے کے ابتدائی قدم کے طور پر راجہ ظفرالحق کی سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

۳) قرآن و سنّت کو سپریم لاء بنانے کی راہ میں حائل رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے شریعت بل کی دفعہ ۲ کی ذیلی شق ۲ کو حذف کر کے شریعت بل کو غیر متنازعہ بنا کر موجودہ سینٹ سے منظور کرایا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار پر عائد ہر قسم کی پابندیاں ختم کر کے عالم ججوں کی تعداد بڑھا کر ان کی شرائطِ ملازمت کو اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے مساوی کیا جائے۔

۴) الیکٹرانک میڈیا پر بے حیا ثقافت کا فوری سدباب کیا جائے' ڈش انٹینا پر پابندی عائد کی جائے اور ٹی وی پر بھارتی اور مغربی ثقافت کی نمائش کو بند کرنے کا حکم جاری کیا جائے۔ ان اقدامات کے بعد ہی ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کے امیدوار بن سکتے ہیں۔

توبہ کے حوالے سے قومِ یونسؑ کے علاوہ تاریخ میں خود ہندوستان کے دو عظیم رہنماؤں کی توبہ کا ذکر ملتا ہے' ایک محمود غزنوی کا کہ جب اسے سومنات کی فتح کے وقت بڑا سخت مرحلہ درپیش آ گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے سچے دل کے ساتھ اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ اللہ نے اس کی یہ توبہ قبول فرمالی اور جبکہ سومنات کو بچانے کیلئے ہندوستان کا پورا کفرستان محمود غزنوی کے مقابلہ پر صف آراء تھا اسے فتح و نصرت سے نوازا۔ دوسرا موقع اس سے بھی سخت تر تھا' جب ظہیرالدین بابر کا مقابلہ رانا سانگا سے ہوا اور بابر کے مقابلے میں ہندوستان کی پوری راجپوت قوت جمع ہو گئی تھی۔ اس وقت بابر نے مخلصانہ توبہ کی اور شراب کے تمام برتن توڑ ڈالے اور اللہ کو مدد کے لئے پکارا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ظہیرالدین بابر کو رانا سانگا کے مقابلے میں فتح عطا فرمائی۔ انہی واقعات کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کو حقِ نصیحت ادا کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ وہ بھی اگر محمود غزنوی اور ظہیرالدین بابر کا انداز توبہ اختیار کریں گے تو بچاؤ کی صورت ہے۔ نیز اس مشکل گھڑی میں حکمران طبقہ' عسکری قیادت اور پوری قوم کو سورۃ الانفال کی آیات ۱۵' ۱۶ اور ۴۵' ۴۶ میں دی گئی ہدایات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اور ان آیات میں دی گئی رہنمائی کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کا وسیع پیمانے پر پرچار کیا جانا چاہئے۔ ان

آیات کا ترجمہ یہ ہے :

"اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہو گا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ (الانفال ۱۵'۱۶)

"اے ایمان والو! جب تم جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

(الانفال ۴۵'۴۶)

بقیہ : عرضِ احوال

عمومی چندے کی اپیل میں سنجیدگی اور متانت کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہو گا۔ (قربانی کی کھالیں ہرگز اکٹھی نہیں کی جائیں گی)

دفعہ نمبر ۹ : علیحدگی یا اخراج

۱۔ علیحدگی اختیار کرنا ہر رکن تنظیم کی آزاد مرضی پر منحصر ہو گا۔ تاہم ایک مرتبہ علیحدگی اختیار کرنے والی تنظیم کو دوبارہ محاذ میں شامل ہونے کے لئے تحریری درخواست دینا ہو گی۔ جس کو منظور یا رد کرنے کا فیصلہ محاذ کی شوریٰ اتفاق رائے سے کرے گی۔

۲۔ محاذ کے مقاصد سے عدم دلچسپی' محاذ کے مقاصد کے خلاف کام کرنے یا محاذ کی ساکھ کو مجروح کرنے کی صورت میں شوریٰ کی دو تہائی اکثریت سے کسی رکن تنظیم کو محاذ سے خارج کیا جا سکے گا۔

۳۔ خارج کی گئی تنظیم اگر اپنے طرز عمل کی اصلاح پر آمادہ ہو اور اپنے گزشتہ طرز عمل پر تحریری معذرت پیش کرے تو شوریٰ کے اتفاق رائے سے اسے دوبارہ محاذ میں شامل کیا جا سکے گا۔

"متاعِ غرور"

دُنیا کی زندگی کی حقیقت' قرآن وحدیث کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

خطبہ مسنونہ' تلاوتِ آیات اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا:

آج کی گفتگو کا عنوان ہے "متاع الغرور" - یہ مرکب اضافی ہے' یعنی "دھوکے کا سامان" - قرآن مجید میں یہ ترکیب دو جگہ وارد ہوئی ہے - ایک تو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں اور دوسرے سورۃ الحدید کی آیت ۲۰ میں - یعنی قرآن مجید میں دو جگہ اس حیاتِ دُنیوی کو "متاعُ الغرور" (دھوکے کا سامان) قرار دیا گیا ہے : ﴿ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ "یہ دُنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے اور کچھ نہیں - " سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۴ میں بیان ہوا ہے کہ یہ دھوکے کا سامان کس حوالے سے ہے؟ دراصل اس آیت مبارکہ کے بغیر بات واضح نہیں ہوتی ﴿ وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی "یہ دُنیا کی زندگی تو سوائے کھیل اور تماشے کے اور کچھ نہیں' اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش انہیں معلوم ہوتا - " قرآن مجید میں چار مقامات پر اس دُنیا کی زندگی کو "لھو و لعب" یا "لعب و لھو" سے تعبیر کیا گیا ہے اور دو جگہ "متاع الغرور" کے الفاظ سے - اس اعتبار سے غور طلب بات یہ ہے کہ یہ دُنیا کی زندگی اللہ نے ہمیں دی ہے' یہ کائنات اس نے بنائی ہے' اس نے خود ہمیں اس دُنیا میں بھیجا ہے - ظاہر بات ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ﴾ اللہ نے اسے بے کار و بے مقصد نہیں بنایا - یہ کوئی وہم نہیں ہے' یہ ایک حقیقت ہے' اللہ کی خلاقی کا مظہر ہے - پھر اس نے ہمیں خلافت کا مقام عطا فرمایا ہے - ان تمام حقائق کی موجودگی میں یہ حیاتِ دُنیوی بہت بڑی حقیقت بن کر سامنے آتی ہے - بعض فلسفیوں کے خیال کے برعکس یہ وہم ہے نہ گمان ہے بلکہ یہ ایک حقیقت واقعہ ہے - یہ دُنیا محسوس ہوتی ہے' اس کا درد' دکھ اور کرب بھی محسوس ہوتا ہے اور اس کی مسرت اور خوشی بھی

محسوس ہوتی ہے۔ اور پھر یہ ایسی شے ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ پیدا فرمایا : ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ خلافت ارضی کا تاج حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کے سر پر رکھا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اتنا سب کچھ کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو دھوکے کا سامان کس اعتبار سے کہا؟

اس سوال کا درست جواب یہ ہے کہ اگر حقیقت زندگی کا درست تصور ہمارے سامنے واضح رہے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے زندگی کے بارے میں بڑی خوبصورت بات کہی ہے ؎

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

یہ جو اللہ تعالیٰ کی خلاقی کا نقطۂ عروج ہے ـــــ انسان ـــــ قرآن مجید میں اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ﴿ خَلَقْتُهٗ بِیَدَیَّ ﴾ یعنی میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اسی انسان کا مزید اکرام بایں الفاظ فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝ ﴾

(بنی اسرائیل : ۷۰)

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔"

حتیٰ کہ اسے فرشتوں سے بھی برتر مقام عطا فرمایا اور اس کے بارے میں فرشتوں سے فرمایا:

﴿ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ ﴾

(الحجر : ۲۹)

"پھر جب میں اس کی نوک پلک سنوار دوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔"

"رُوْحِیْ" مرکب اضافی ہے۔ اللہ تعالیٰ خاص طور پر روح کو اپنی جانب منسوب کر

رہا ہے جو حضرت آدم میں پھونکی گئی۔ "جب میں اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔" قرآن مجید میں کس شد و مد سے اور تکرار کے ساتھ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ آدم علیہ السلام کے سامنے' بلا استثناء' تمام ملائکہ سجدے میں گر پڑے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴾ اس آیت میں تین الفاظ قابل غور ہیں۔ "الملائکۃ" میں "ال" لام حصر ہے کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ شاید اس میں بڑے فرشتے نہ ہوں' اس لیے فرمایا "كُلُّهُمْ" (سب کے سب) پھر مزید کوئی شبہ نہ رہ جائے' ارشاد فرمایا: "اَجْمَعُوْنَ" کہ سب نے سجدہ کیا۔

حیاتِ انسانی کے سفر کا آغاز

اب آیئے انسانی زندگی کے سفر کی طرف کہ یہ کب اور کہاں سے شروع ہوا' تاکہ انسانی حیات کی اہمیت سے آگاہی ہو۔ دُنیا میں تو انسان کی زندگی بالعموم پچاس' ساٹھ یا ستر برس ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کی زندگی بہت طویل ہے۔ حیاتِ انسانی کے دو پہلو تو وہ ہیں جو اکثر لوگوں کے علم میں ہیں : حیاتِ دُنیوی' یعنی دُنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک۔ یہ ایک وقفہ ہے۔ پھر اس کے بعد حیاتِ اُخروی ہے' جس کا آغاز موت واقع ہونے کے بعد عالم برزخ سے ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا میں آنے سے پہلے بھی ہم ایک زندگی گزار آئے ہیں اور بدقسمتی سے اس کا تصور بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔ اور عہد حاضر کے جو عقلیت گزیدہ یا عقلیت زدہ لوگ ہیں وہ ان چیزوں سے دور بھاگتے ہیں۔

ہماری پہلی تخلیق عالم ارواح میں ہوئی تھی جہاں حضرت آدمؑ سے لے کر اس دُنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے آخری انسان تک کی ارواح پیدا کر دی گئی تھیں اور "اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ" کا عالم تھا۔ وہاں عہد لیا گیا کہ ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ "کیا میں تمہارا رب' تمہارا مالک نہیں ہوں؟" ہم سب نے عہد کیا تھا ﴿ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ﴾ کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ عہد جو ہوتا ہے اور اس کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں ہوتی جب تک انسان کو خود شعوری حاصل نہ ہو' اپنی ذات کا شعور نہ ہو۔ جب آپ دُنیا میں کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں "بقائمی ہوش و حواس یہ عہد کر رہا ہوں" تو ظاہر بات ہے کہ اُس وقت ہم ہوش و حواس کے ساتھ تھے' البتہ اُس وقت

صرف ارواح تھیں' ان کے ساتھ جسد نہیں تھے۔ اسی مقام کی طرف اس واقعہ میں اشارہ ہے جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا "مٰتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" یعنی "اے اللہ کے رسول آپ کو نبوت کب ملی؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ)) یعنی ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں ((وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ)) یعنی آدمؑ ابھی پانی اور گارے کے درمیان ہی تھے' ان کے جسد خاکی کی تخلیق کے لئے گارا گوندھا جا رہا تھا' میں اُس وقت بھی نبی تھا۔ گویا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا تھا' تب بھی عالم ارواح میں تمام ارواح اپنی امتیازی شان کے ساتھ موجود تھیں ـــــ ارواح کی ہیئت ترکیبی کیا ہے؟ روح کا مادۂ تخلیق نور ہے' فرشتوں کا مادہ تخلیق بھی نور ہی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول روایت موجود ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا۔" فرشتے ارواح ہیں' جیسے ہم کہتے ہیں روح القدس' روح الامین' بہرحال تخلیق آدم سے پہلے ہم صرف ارواح کی شکل میں پیدا کئے گئے۔ ہم سے عہد لیا گیا اور پھر ہمیں بلا دیا گیا۔ اس دُنیا میں آنے سے پہلے یہ پہلی موت تھی جو ہم پر وارد ہوئی۔ سورۃ المومن کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جہنم میں لوگ فریاد کریں گے : ﴿ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ "اے اللہ تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا' دو مرتبہ زندہ کیا' ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے' تو کیا اب یہاں سے بھی نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے یا نہیں؟"

اس آیت مبارکہ میں مذکور یہ دو موتیں کونسی ہیں؟ پہلی موت وہ تھی جب ارواح کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ پھر عالم خلق کی تخلیق ہوئی جسے آج سائنس دان "Big Bang" کا نام دیتے ہیں۔ عالم ارواح اس سے پہلے کا عالم ہے۔ سائنس وہاں تک نہیں پہنچ سکتی' کیونکہ وہ دُنیا سائنس سے ماورئ ہے۔ تاہم جب عالم خلق کا آغاز ہوا تو ارتقاء کے بہت سے مراحل طے کر کے آدم تیار ہوا۔ حضرت بیدلؒ نے بہت خوبصورت شعر کہا ہے ؎

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہوشیار باش!

جب یہ کائنات وجود میں آئی تو اُس وقت یہ سیارے بہت بڑے بڑے ناری کرے تھے جن کا درجہ حرارت' سائنس دانوں کے اندازوں کے مطابق' کروڑوں فارن ہائیٹ تھا۔ یہ کرے آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہوئے۔ ان میں زمین کا کرہ بھی شامل تھا۔ زمین ٹھنڈی ہوئی تو اس کی بیرونی سطح پر راکھ کی تہہ جم گئی' جس نے مٹی کی شکل اختیار کی۔ پھر یہاں برسوں بارش ہوتی رہی۔ مٹی اور پانی کے ملاپ سے زندگی وجود میں آئی۔ زندگی نے ارتقائی مراحل طے کئے اور اب آدم کا ہیولا تیار ہوا۔ پھر آدم کی روح جو "کولڈ سٹوریج" میں تھی لاکر اس میں پھونکی گئی ہے۔ جسد آدم مسجود نہیں تھا' مسجود تو تب بنا ہے جب اس میں روح آدم لاکر ڈالی گئی۔ ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ ﴾ یہاں سے حیاتِ دُنیوی کا آغاز ہو گیا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ روایت ہے۔ اس کے آغاز میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا' جو کہ "الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ" ہیں۔ یعنی جو خود سچے ہیں اور جن کی سچائی کی گواہی دی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "رحم مادر میں چالیس دن تم نطفے کی شکل میں ہوتے ہو' پھر چالیس دن علقہ کی شکل میں ہوتے ہو' پھر چالیس دن تم "مضغہ" کی شکل میں ہوتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی وہی عمل جو حضرت آدمؑ کے جسد کے ساتھ ہوا تھا ہر ابن آدم اور بنت آدم کے لئے رحم مادر میں چار مہینے کے بعد دہرایا جاتا ہے۔ یہ حیاتِ دُنیوی کا آغاز ہے۔ اس حیات کے بعد جو موت ہے وہ انسان کی دوسری موت ہے۔ یہاں separation ہو جاتی ہے۔ جو تخلیقی مادہ زمین سے آیا تھا وہ گل سڑ کر زمین میں ختم ہو جاتا ہے' لیکن عالم بالا سے آئی ہوئی روح اس زمینی وجود کے لب لباب یعنی جان یا نفس کو لے کر عالم بالا میں چلی جاتی ہے۔ پھر ایک وقفہ ہے جس کے بعد قیامت کے روز بعث بعد الموت ہے۔ اس طرح احیاء بھی دو ہو گئے' ایک عالم ارواح میں جب پہلی موت کے بعد زندہ کیا گیا اور اس عالم میں ہماری آنکھ کھلی' یہ پہلا احیاء تھا۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ "تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کر رہے ہو' حالانکہ تم مردہ تھے' پھر اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں دوبارہ موت دے گا' پھر وہ تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا' پھر اسی کی طرف تم لوٹائے

جاؤ گے۔" دوسرا احیاء قیامت کے دن "بعث بعد الموت" کے مرحلہ کی صورت میں ہو گا اور پھر اس کے بعد ابدی' ہمیشہ کی زندگی شروع ہو گی۔

دنیوی زندگی کا مقصد

یہ تصور سامنے رکھئے کہ دُنیوی زندگی اس لئے ہے کہ انسان کو آزمایا جا سکے۔ جیسا کہ سورۃ الملک میں آیا ہے : ﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ "اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔" اس روح کے ساتھ اس جس کا اتصال دراصل دُنیوی پچاس' ساٹھ سال کی عمر تک ہے یعنی ایک امتحانی وقفہ ہے جس میں جانچا اور پرکھا جا رہا ہے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ گویا ؎

قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانند حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اب یہ دو چیزیں انسان پر واضح اور اسے مستحضر ہونی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے جیسا کہ قرآن میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ ﴾ (الاعلیٰ : ۱۶' ۱۷) "لیکن تم دُنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو' جبکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔" ﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ ﴾ (القیامۃ : ۲۰' ۲۱) "ہرگز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دُنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔" سورۃ العنکبوت میں دُنیوی اور اُخروی زندگی کا فرق بتایا گیا ہے : ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ یعنی "یہ دُنیوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے' اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش یہ لوگ جانتے!" بہرحال ایک تو یہ حقیقت مستحضر رہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے اور دوسری حقیقت یہ کہ یہ دُنیا کی زندگی امتحانی وقفہ ہے۔

اگر یہ دونوں حقیقتیں مستحضر رہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان دُنیا پرست نہیں بنے گا اور اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ دُنیا متاع ہے' برتنے کی چیز ہے۔ ﴿ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ﴾ (المومن : ۳۹) یعنی دُنیا برتنے کی چیز ہے' اسے برتو' لیکن

اس کو مقصود نہ بناؤ۔ بلکہ آخرت کی زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے اس دُنیا سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہاں کچھ حدیثیں بھی دیکھ لیجئے جن میں دُنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے عجیب نقشہ کھینچا ہے:((مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا' مَااَنَاوَالدُّنْیا اِلاَّ کرَاکبٍ استظلَّ تحت شجرۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھا)) (رواہ الترمذی) "مجھے اس دُنیا سے کیا سرو کار' میری اور دُنیا کی مثال تو اس سوار کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں ستانے کے لئے رک جاتا ہے' پھر وہ چل پڑتا ہے اور اسے چھوڑ جاتا ہے۔" وہ درخت کو اپنی منزل نہیں سمجھتا' اس جگہ کو اپنا گھر نہیں سمجھتا' تھوڑی دیر ستاتا ہے' پھر وہ درخت کو خیرباد کہہ کر اپنا راستہ لیتا ہے اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس دُنیا سے بس اتنا تعلق رہے اور منزل یاد رہے۔

ایک دوسری بڑی پیاری مختصر حدیث ہے ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ)) "دیکھو! یہ دُنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے لیکن تمہیں آخرت کے لئے بنایا گیا ہے۔" قرآن مجید کہتا ہے ﴿خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾ (البقرۃ : ۲۹) "یعنی زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔"

چونکہ انسان کو خلافت دی جانی تھی اس لئے سب کچھ انسان کے لئے بنایا گیا۔ یعنی یہ محفل ہمارے لئے سجائی گئی ہے۔ یہ سب ہمارے لئے بنایا گیا ہے۔ چاند' سورج اور پورے عالم کو ہمارے لئے مسخر کیا گیا ہے۔ بس انسان کو یہ یاد رہے کہ اس کی منزل آخرت ہے' اس کا ٹھکانہ' اس کا گھر وہ ہے۔ یہ دُنیا تو صرف راہ گزر ہے' ایک امتحانی وقفہ ہے۔

اب تیسری حدیث نوٹ کیجئے: حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ((اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ)) "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ حدیث بالا کے مطابق اس دُنیا میں جو بوؤ گے وہی آخرت میں کاٹو گے۔ اگر یہاں کچھ بوؤ گے نہیں تو وہاں کیا کاٹو گے؟ اس اعتبار سے غور کیجئے تو اس دُنیا کا ایک ایک لمحہ بڑی قیمتی پونجی اور متاع بن کر سامنے آئے گا' کیونکہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ ابدی نتائج کا حامل ہے' یہاں جو کچھ ہم کما رہے ہیں اس کے نتائج ابدی زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ گویا کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

اسلام میں رہبانیت کی نفی

اب دیکھئے' قرآن کا یہ جو انداز ہے ﴿ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ یہی ہماری گفتگو کا عنوان ہے "یہ دُنیا کی زندگی' دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں"۔ اس کے عملاً دو نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک نتیجہ جو قرآن نکالنا چاہتا ہے اور جس کی طرف اسلام راہنمائی کرتا ہے ـــــ اور ایک ہے بالکل منفی نتیجہ جس کی اسلام نفی کرتا ہے۔ وہ منفی نتیجہ یہ ہے کہ دُنیا دھوکے کی جگہ ہے' لہٰذا اس سے کنارہ کش رہو' اگر رب سے لو لگانی ہے تو شادی کر کے گھر گرہستی کا کھکیڑ کیوں مول لیں' کہاں ایک پیٹ کا پالنا' کہاں دس پیٹ بن جائیں تو آدمی اسی میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا گھر گرہستی کو چھوڑ کر تجرد کی زندگی گزارو۔ پھر یہ ہر شے سے بیگانہ کر دینے والا تمدن ہے' اس کے علاوہ یہ کہ چاروں طرف شر اور برائی ہے' فریب اور جھوٹ ہے۔ اسے چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر' غاروں اور جنگلوں میں زندگی گزارو اور نفس کشی کرو۔ یہ ہے دُنیا کی بے رغبتی کا منطقی نتیجہ جو تقریباً تمام مذاہب عالم میں رہبانیت کی صورت میں نکلا ہے۔ اس رہبانیت کی حضور ﷺ نے انتہائی شد و مد کے ساتھ نفی کی ہے' فرمایا ((لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ)) "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں" یعنی اسلام میں رہبانیت کی مکمل نفی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ)) "نکاح میری سنت ہے" گھر گرہستی کی زندگی اختیار کرنا میرا طریقہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر مزاج کے لوگ تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو عقل کے حوالے سے بات سمجھنے والے تھے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سرخیل تھے' جبکہ ان میں درویش منش لوگ بھی تھے۔ کچھ پر اس درویشی اور تقویٰ کا زیادہ غلبہ ہو گیا تھا' ہم انہیں مغلوب الحال کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور ان کے والد حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) دونوں باپ بیٹے کے مزاج میں عجیب تضاد نظر آتا ہے۔ عمروؓ بن العاص بہت بڑے سیاست دان اور مدبر تھے۔ عرب نے جو تین چوٹی کے مدبر' جنگجو' فاتح اور سیاست دان پیدا کئے ان میں ایک عمروؓ بن العاص تھے' جبکہ عبداللہ

بن عمرو بالکل درویش منش تھے۔ وہ روزانہ روزہ رکھتے اور پوری رات قیام کرتے' انہیں اپنی بیوی تک سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپؐ نے انہیں بلا کر جواب طلبی کی : اے عبداللہ! مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ تم ساری رات کھڑے رہتے ہو اور روزانہ روزہ رکھتے ہو۔ حضرت عبداللہ نے تسلیم کیا کہ ایسا ہی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور ارشاد فرمایا :

((فَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))

"دیکھو! تم پر تمہارے اس جسم کا بھی حق ہے (اسے آرام بھی دو' اس کی ضروریات بھی پوری کرو' اس کی دیکھ بھال بھی کرو' یہ تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے)۔ پھر یہ کہ تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تم پر تمہارے ملاقاتی کا بھی حق ہے۔"

کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی کو میلی کچیلی حالت میں دیکھ کر پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے دوست کو تو مجھ سے غرض ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے مسلمان بیوی تھی' وہ اور کس کے لئے سنگھار کرے گی جبکہ شوہر کو اس سے غرض ہی نہ ہو۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ رات کو سویا بھی کرو' مجھے دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ تم ہفتے میں دو دن روزے رکھ لیا کرو۔ عبداللہؓ نے عرض کیا : حضور مجھے اور تھوڑی سی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا : اچھا تو پھر ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو' یعنی صوم داؤدؑ۔ اس سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح تین صحابہؓ پر بھی رہبانیت و ترکِ دُنیا کا غلبہ ہوا۔ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے معلوم کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رات نماز پڑھتے ہیں اور کتنا سوتے ہیں؟ مہینے میں آپؐ کتنے نفلی روزے رکھتے ہیں؟ وہاں تو سیرت محمدیؐ کی کھلی کتاب کی مانند تھی۔ ازواجِ مطہرات نے حضور ﷺ کے معمولات بیان کر دیئے۔ ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا یہ تو ہمارے اندازے کے مطابق کم ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ حضور ﷺ اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ آپؐ معصوم ہیں' آپؐ سے

کوئی گناہ یا خطا سرزد نہیں ہوئی۔ اس لئے آپؐ کو زیادہ عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اتنی عبادت ہمارے لئے تو کافی نہیں ہے۔ ہم تو گنہگار ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے عہد کیا کہ میں رات کو کبھی نہیں سوؤں گا' رات بھر کھڑا رہ کر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا' کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ جبکہ تیسرے نے کہا کہ میں شادی بیاہ کے کھکیڑ میں نہیں پڑوں گا۔ اس کی اطلاع حضور ﷺ کو مل گئی۔ حضور ﷺ نے ان کو طلب فرما کر دریافت کیا کہ کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں ایسی ایسی باتیں کی ہیں؟ پھر فرمایا : خدا کی قسم! میں تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہوں۔ میں رات کو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں' (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں' ناغہ بھی کرتا ہوں۔ میں نے گھر گرہستی کی زندگی اختیار کی ہے۔ میری بھی بیویاں ہیں۔ اور فرمایا : ((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ)) "جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ تو احادیث کے حوالے سے ترک دُنیا کے بارے میں منفی طرز عمل یعنی دُنیا سے تعلق منقطع کر لینا' پسپائی اختیار کر لینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر سلیم الفطرت اور نیک لوگ دُنیا سے الگ ہو گئے تو دُنیا تو پھر شریروں کے لئے رہ گئی کہ کھیلیں' کودیں' عیش کریں۔ پھر شریروں کو روک ٹوک کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ وہ جس طرح چاہیں ظلم کریں' شرارتیں کریں۔

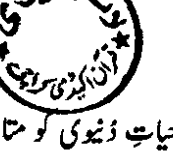

حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار

سورۃ الحدید کی جس آیت میں حیاتِ دُنیوی کو متاعِ غرور قرار دیا گیا ہے وہ خاصی طویل آیت ہے اور اس میں یہ مضمون نہایت شاندار انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا : ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ اس آیت میں پانچ الفاظ کے حوالے سے اس حیاتِ دُنیوی کے کچھ حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ محاورتاً ﴿ لَعِبٌ و لَھْوٌ ﴾ یا ﴿ لَھْوٌ وَّلَعِبٌ ﴾ تو قرآن میں چار جگہ آیا ہے۔ یہاں تین الفاظ مزید آئے ہیں اور ترتیب یہ ہے کہ پہلے "لعب" ہے' پھر "لھو" ہے۔ اس آیۂ مبارکہ پر اگر آپ غور کریں تو ایک عجیب نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس میں پانچ الفاظ کے حوالے سے حیاتِ دُنیوی کے پانچ ادوار سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے ہر دور میں ایک شے انتہائی اہم ہوتی ہے اور توجہ کا مرکز بھی۔ ابتدائی دور میں جب آدمی بالکل

بچہ ہوتا ہے۔ کھیل تماشے کے علاوہ اسے زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ زندگی کے تلخ حقائق اسے معلوم نہیں ہوتے۔ اسے جب بھوک لگتی ہے تو رو پڑتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ یہ "لعب" ہے۔ اس سے آگے چلئے۔ بچپن کے بعد جب آدمی teen age میں داخل ہوتا ہے تو اب اس کا کھیل کود صرف معصومانہ کھیل نہیں رہتا' اس میں تلذذ یعنی لذت پسندی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ "لھو" ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھئے تو انسان پر سب سے زیادہ دھن بناؤ سنگھار کی طاری ہو جاتی ہے کہ میرا لباس فیشن کے مطابق ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ مذاق اڑے۔ بندہ اپنے لباس' آرائش و زیبائش اور بالوں کی کٹنگ کے بارے میں بڑا محتاط رہتا ہے' جسے "زینت" کہا گیا ہے۔ اس کے بعد جب انسان تقریباً تیس برس کا ہو جاتا ہے تو اس پر "تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ" کا عنصر غالب آجاتا ہے۔ اب دولت و نسبت پر فخر ہو گا یا اپنی کسی سیاسی حیثیت و چودھراہٹ پر فخر ہو گا۔ اس عمر میں جان میں توانائی و قوت ہوتی ہے۔ اس سٹیج میں تفاخر کی یہ صورت ہوتی ہے کہ مونچھ نیچی نہ ہو چاہے سب کچھ داؤ پر لگ جائے۔ لیکن جب عمر ڈھلتی ہے تو انسان بڑا حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ اس آخری سٹیج میں انسان کو "تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ" یعنی مال و اولاد کی کثرت کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ اس عمر میں اس کی حالت بالعموم یہ ہوتی ہے کہ مونچھ نیچی تو کیا مونڈ بھی دی جائے لیکن مال آنا چاہیئے۔ آخری پارے کی یہ آیت بھی اس کے ساتھ جوڑ لیجئے : ﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ یہ "تکاثر" اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اگر اتنی دولت بھی ہو کہ انسان کی دس نسلیں کھا سکیں تو وہ پھر بھی صبر نہیں کرتا۔ ٹانگیں قبر میں لٹکی ہوتی ہیں لیکن تکاثر مال کی ہوس اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی' یہاں تک کہ قبروں میں اتار نہ لیا جائے۔

یہ ہماری حیاتِ دُنیوی کا ایک چکر (Cycle) ہے جو ساٹھ ستر برس پر محیط ہوتا ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ پھر لڑکپن (teen age) کی سٹیج آتی ہے' پھر جوانی' ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا ہے۔ اس کے بعد قبر میں اتارا جاتا ہے۔ انسان کی حیاتِ دُنیوی کے اس لائف سائیکل کو قرآن پاک میں ایک تمثیل سے بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اسی آیت کے اگلے الفاظ میں نباتاتی حیات کا سائیکل بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴾

گویا اس آیت میں چار stages بیان ہوئی ہیں۔ جیسے بارش برستی ہے تو سبزہ نمودار ہوتا ہے جو کاشتکار کو بڑا اچھا لگتا ہے' کیونکہ اس نے محنت کی تھی' ہل چلایا تھا ﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ کسان کو وہ سبزہ بہت اچھا لگتا ہے' اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں جب بیٹا یا پوتا پیدا ہوتا ہے تو ہم خوشیاں مناتے ہیں۔ ﴿ ثُمَّ يَهِيْجُ ﴾ پھر وہ فصل اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتی ہے۔ اب فصل لہلہا رہی ہے جیسے حیاتِ انسانی میں جوانی کا دور آتا ہے۔ ﴿ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ﴾ پھر فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے ﴿ ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴾ پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ فصل کاٹ لی جاتی ہے اور باقی رہ جانے والا حصہ چورا چورا ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ کیونکہ فصل کٹنے کے بعد چورا ہی رہ جاتا ہے۔ یہ ایک فصل کا تین چار مہینے کا لائف سائیکل ہے۔

حیاتِ دُنیوی کا فیصلہ کن مرحلہ

اسی طرح انسانی زندگی کا بھی چکر ہے اور انسان ان مراحل سے گزر کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ حیاتِ انسانی کے پانچ ادوار گنوانے کے بعد اگلا یعنی چھٹا مرحلہ بھی بیان کیا گیا ہے : ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ﴾ یعنی دُنیا کی زندگی تو ان مراحل سے ہو کر گزر ہی جاتی ہے' جو پیدا ہوا ہے اس پر بڑھاپا بھی آئے گا' موت بھی آئے گی ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (آل عمران:۸۵) ہر انسان جو پیدا ہوا ہے اس کو موت آنی ہے۔ یہاں کی زندگی محل میں گزار لی یا کٹیا میں' کسی کی فٹ پاتھ پر گزر گئی۔ لیکن آخرت میں جا کر یہ تنصیف (Bifurcation) ہو کر رہنی ہے۔ یا تو شدید عذاب سے دوچار ہونا ہو گا یا اللہ کی مغفرت و رضا نصیب ہو گی۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے : ﴿ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾ یعنی فیصلہ تم خود کر لو۔ کیونکہ آخرت کی زندگی کا نتیجہ آج کی حیاتِ دُنیوی پر منحصر ہے کہ دُنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا یا اس دُنیا کو اس طور سے برتا تھا کہ آخرت مقدم رہے۔ جیسے کہ اقبال نے کہا ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

دُنیا میں رہو مگر طالب دُنیا نہ بنو' طالب آخرت بنو۔ دُنیا میں رہو' اسے برتو' استعمال کرو' کیونکہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے' یہ متاع ہے' برتنے کی شے ہے۔ ہاں

حلال و حرام کی پابندیاں سامنے رکھو! اسے مطلوب اور مقصود نہ بناؤ اور یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَۃِ)) اسی طرح آخرت بطور منزل سامنے رہے اور خیال رہے کہ میں تو یہاں اجنبی ہوں' یہ میرا وطن نہیں ہے۔ ((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ)) "دُنیا مومن کے لیئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔" جس طرح کسی پرندے کو پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو گئی تو پھر ہمارا دل یہاں نہیں لگے گا۔

ایسی صورت میں جبکہ آخرت پیش نظر رہے تو اب یہ دُنیا دھوکے کا سامان قطعاً نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ مجھے تمہاری اس دُنیا میں سے فلاں فلاں چیزیں بہت محبوب ہیں۔ فرمایا: "مجھے اس دُنیا میں عورتیں بہت پسند ہیں" حضور ﷺ نے کوئی تصنع اور تکلف سے کام نہیں لیا اور کوئی بات خلافِ فطرت نہیں کی' بلکہ حقیقت پسندانہ انداز سے امر واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: "اور مجھے خوشبو پسند ہے' اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" اس سب کے باوجود حضور ﷺ کا اسوہ یہ ہے کہ دُنیا میں اس طرح رہو جیسے راہ چلتا مسافر۔ یعنی دُنیا پر سوار رہو' دُنیا کو اپنے اوپر سوار نہ ہونے دو۔ کیونکہ دُنیا کی یہ سب چیزیں آزمائش کے لئے رکھی گئی ہیں۔ یہاں انسان کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ ع

"بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں!"

سورۂ کہف کے پہلے رکوع میں یہ مضمون آیا ہے ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ "ہم نے اس زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کی زینت و زیبائش اور آرائش بنا دیا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل صالح کی روش اختیار کرتا ہے' گویا ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے!

دُنیا کی حقیقت کے بارے میں دو نظریئے

سورۃ الحدید میں دُنیا کی حقیقت کو اس طرح بیان کر کے اس سے جو دو نتیجے نکلتے ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا۔ ایک نظریہ رہبانیت اور ترکِ دُنیا کا ہے۔ اس کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحاً وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَّكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ○ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ... ﴾

(الحدید:۲۶)

"ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو بھیجا اور ان ہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ پھر ان کی اولاد میں سے کسی نے ہدایت اختیار کی اور بہت سے فاسق ہو گئے۔ ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو مبعوث کیا اور انہیں انجیل عطا کی' اور جن لوگوں نے ان کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے رحمت و رأفت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں انسانی ہمدردی بدرجۂ اتم موجود تھی' ظاہر بات ہے آپؑ کے حواریین اور آپؑ پر ایمان لانے والوں میں اسی کا ایک عکس پیدا ہونا تھا۔) لیکن ایک چیز "رہبانیت" انہوں نے بدعت کے طور پر ایجاد کر لی' جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔"

رہبانیت یہ ہے کہ اللہ سے لو لگانی ہے تو خانقاہوں میں جا کر بیٹھ جاؤ' تجرد کی زندگی گزارو۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خانقاہوں کے حجروں میں بظاہر راہب اور راہبائیں رہ رہی ہیں لیکن اندر حرام کاری کے بازار چل رہے ہیں اور تہہ خانوں کے اندر حرامی بچوں کے قبرستان بنے ہوئے ہیں۔ عیسائیت کی تاریخ پر کتابیں پڑھ لیجئے' انہوں نے خود اپنے سارے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا ہے کہ رہبانیت والا راستہ اسلام کا راستہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہمارے ہاں بھی کسی نہ کسی درجے میں یہ رسم در آئی۔ اگرچہ الحمد للہ اس درجے میں نہیں آئی جس درجے میں عیسائیت میں ہے' لیکن یہ کیوں اور کیسے آئی ہے؟ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

"رہبانیت" نہیں "جہاد"

اس مقام پر یہ دیکھئے کہ ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ کا دوسرا منطقی نتیجہ کیا ہے؟ پہلا نتیجہ تو گریز' پسپائی' فرار اور معاشرے سے نکل بھاگنے کا ہے' تاکہ

معاشرے میں اشرار کھل کھیلیں اور جو چاہیں کریں۔ دوسرا نتیجہ 'جو مقصود ہے' وہ یہ کہ رہبانیت کے انداز میں ترک دُنیا نہیں' بلکہ ترکِ لذاتِ دُنیوی' یعنی اللہ کی راہ میں نکل کر دُنیوی آسائشوں کو ترک کر دینا اور سختیاں جھیلنا' تاکہ دُنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو' باطل کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ ظاہر بات ہے ظالم آسانی سے ظلم نہیں چھوڑے گا۔ استحصال کرنے والا محض وعظ و نصیحت کے ذریعے اپنی ظلم سے باز نہیں آئے گا۔ اس طبقے کے اندر شاذ ہی کچھ لوگ سلیم الفطرت ہوتے ہیں' جیسے طبقہ اشرافیہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سلیم الفطرت انسان تھے۔ آپؓ غرباء و مساکین کے طبقے میں سے نہیں تھے۔ عشرہ مبشرہ کی اکثریت اسی طبقے سے تھی۔ لیکن اکثر و بیشتر یہ وہ طبقہ ہوتا ہے جو جبر و استبداد کا تخت جما کر لوگوں کی گردنوں پر بیٹھا ہوتا ہے' جو سیاسی جبر یا معاشی استحصال کے ذریعے لوگوں کی محنت پر عیش کرتا ہے۔ سیاسی جبر اور معاشرتی استحصال کے علاوہ ظلم کی ایک قسم معاشرتی اونچ نیچ ہے کہ یہ شودر ہے' یہ برہمن ہے۔ ان تینوں قسم کے مظالم کا خاتمہ کرنے کے لئے جدوجہد یعنی جہاد و قتال کی ضرورت ہے۔ اور آپ اُس وقت تک جہاد و قتال نہیں کر سکتے جب تک کہ لذات دُنیوی سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں' جب تک کہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو کم نہ کریں۔ ضروریاتِ زندگی کم کریں گے تو آپ کا وقت بھی فارغ ہو گا۔ چنانچہ جدوجہد' محنت اور جہاد و قتال کے لئے آپ کے پاس وقت ہو گا' اس کو آپ صرف کر سکیں گے۔ پھر اس راہ میں سخت سے سخت منزلیں بھی آئیں گی' میدان میں مقابلہ بھی ہو گا' جان کی بازی بھی کھیلنی پڑے گی' اس میں قید و بند کی صعوبتیں بھی آ سکتی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے پورے خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب بنی ہاشم میں بدترین اسیری کے تین برس گزارے ہیں۔ آج اسیروں کو راشن اور کھانا تو ملتا ہے' وہاں تو دونوں طرف سے گھاٹی کا منہ بند کر دیا گیا تھا' اسے پوری طرح سیل کر دیا گیا تھا کہ کوئی چیز جانے نہ پائے۔ چنانچہ وہ وقت بھی آیا ہے کہ سوکھے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے ابال ابال کر پھول جیسے بچوں کے حلق میں وہ پانی ٹپکایا گیا ہے۔ حکیم بن حزامؓ جیسے کچھ لوگ تھے' جو بعد میں ایمان بھی لے آئے اور یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریبی عزیز تھے' وہ پہاڑ کو عبور کر کے چوٹی سے پار اتر کر کبھی کبھی کھانے کی کوئی چیز پہنچا دیتے تھے۔ بہرحال اعراض عن الدنیا کا یہ مثبت طریقہ ہے' یعنی دُنیا کی آسائشوں سے اپنے آپ کو پیچھے ہٹانا تاکہ اپنا وقت و مال اور اپنی صلاحیتیں

ظلم کے خاتمہ کے لئے صرف کی جاسکیں۔

رسولوں کی بعثت کا مقصد

اس کے لئے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ملاحظہ کیجئے: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ "ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب و میزان اُتاری تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔" کتاب و میزان اتارنے کا مقصد یہ نہیں کہ ختم قرآن کرلیا اور دُعائیں مانگ لیں، بلکہ اس کتاب میں موجود نظام قائم کرو اور میزانِ عدل نصب کرو تاکہ ہر ایک کو وہی تل کر ملے جو اس کا حق ہے اور ہر ایک سے وہی لیا جائے تو اس پر واجب ہے۔ ع گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اسی لئے تو فرض کئے گئے ہیں کہ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے قوت حاصل ہو۔ گویا نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام کارِ رسالت کا منتہائے مقصود ہے، قرآن مجید میں حضور ﷺ سے کہلوایا گیا: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "اے نبی! ان سے کہہ دیجئے: اے کتاب والو! تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں (ہماری نگاہوں میں تمہارا کوئی مقام ہی نہیں) جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہیں کرتے اور جو کچھ کہ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔" اس کو قائم کرنے کے بعد آؤ اور ہم سے بات کرو، دعا کرو، ورنہ دفع ہو جاؤ۔ اب مختلف اُمتوں کے لئے قانون خداوندی تو نہیں بدلتا ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ اور ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ ﴾ اللہ کی سنت تو ایک ہے۔ چنانچہ متذکرہ بالا آیت میں اگر "تورات" کی جگہ "قرآن" فٹ کرلیا جائے تو عبارت یوں ہوگی: يٰٓاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا الْقُرْاٰنَ .... "اے قرآن والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک کہ تم قرآن کو قائم نہ کرو۔" اسے دن رات پڑھنا، قراءت کے مقابلے منعقد کرانا، سونے کے تاروں سے اسے لکھنا، جو چاہو کرلو لیکن اس کی کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ اس قرآن کے قانون اور نظام کو قائم نہ کرو، جس نظام میں امیر و غریب سب برابر ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت کے بعد خطبے میں فرمایا تھا "تم میں سے ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک

کہ اس سے حق وصول نہ کرلوں اور ہر ضعیف قوی ہو گا جب تک کہ اس کا حق دلوا نہ دوں۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی

سورۃ الشوریٰ میں حضور ﷺ کا فرض منصبی بیان کرتے ہوئے خود حضور ﷺ سے کہلوایا گیا ہے : ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ "مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے مابین عدل قائم کروں۔" یعنی میں واعظ بن کر نہیں آیا' میں بدھ مت کے بھکشو بنانے کے لئے نہیں آیا۔ اگرچہ انقلابی مراحل کے دوران تیاری کا ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ کچھ عرصے کے لئے بھکشو بننا پڑتا ہے۔ لیکن یہ مستقل تعلیم نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا کہ بدمعاش جس طرح چاہیں کھل کھیلیں' ظالم جس طرح چاہیں لوگوں پر ظلم کرتے رہیں' تشدد اور جبر کا جس طرح سے چاہیں معاملہ کریں' استحصالی نظام چلتا رہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں انسانوں کی عظیم اکثریت ڈھور ڈنگر بن جائے' یعنی صبح سے شام تک کمر توڑ دینے والی مشقت کے بعد جسے بمشکل دو وقت کی روٹی ملتی ہو اسے کس طرح اللہ کا خیال آئے گا؟ وہ کبھی اللہ سے لو نہیں لگا سکے گا ؎

دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ((کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا)) یہ فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا گیا کہ عدل قائم کرو۔ دیکھئے سورۃ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی انتہائی گھمبیر اور جامع آیت ہے : ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ میرے علم کی حد تک دُنیا کی کوئی انقلابی کتاب ایسی نہیں جس نے اس قدر عریاں طور پر کھل کر یہ کہا ہو کہ ظالموں کی سرکوبی کرو' ان کے سر کچلنے کے لئے لوہے کی طاقت کا استعمال کرو۔ فرمایا : ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ... ﴾ "ہم نے لوہا بھی اتارا ہے' اس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے کچھ اور منفعتیں بھی ہیں"۔ ایک وقت آتا ہے کہ ظلم اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ لوہے کی طاقت حاصل نہ ہو۔ ٹھیک ہے' لوہے میں کچھ اور منفعتیں بھی ہیں' اس سے توا' پرات وغیرہ بھی بنتے ہیں' لیکن اصلاً یہ اسلحہ ہے۔ اسی "حدید" کی مناسبت

سے اس سورہ کا نام "سورۃ الحدید" ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون (اس کے وفادار بندے) ہیں جو غیب میں ہونے کے باوجود (اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر) اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں' بے شک اللہ قوی اور عزیز ہے"۔ وہ چاہے تو آنِ واحد میں کفر کو یکبارگی ختم کردے' آنِ واحد میں ظالموں کا ظلم ختم کردے۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے' لیکن پھر تمہاری آزمائش کیسے ہو گی؟ کیسے معلوم ہو گا کہ کون اللہ کا بندہ ہے اور کس کا کیا مقام ہے؟ کس کے پاس کتنا یقین کا سرمایہ ہے؟ کس کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا کیا عالم ہے؟ کس نے ہمارے دین کے لئے قربانیاں دیں اور کون صرف اسی دُنیا میں گم ہو کر رہ گیا!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

یہ ہے وہ ترکِ دُنیا جو نتیجہ خیز ہے۔ خیر کو وجود میں لانے کے لئے' صحابہ کرامؓ نے اس آیت کے مصداق حضور ﷺ کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ کھپا دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ایام جاہلیت میں ان کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ دُنیا کے مہنگے ترین عطر میں بسے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ جہاں سے بھی گزرتے پورا راستہ مہک اٹھتا۔ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہاں سے مصعبؓ گزرے ہیں۔ آپؓ جب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تو باپ فوت ہو چکا تھا' اس کی چھوڑی ہوئی دولت تھی' ماں تھی یا چچا جو ان کا سرپرست تھا اور بدترین کافر تھا۔ اس نے پہلے سمجھایا ہو گا' سو طریقے اپنائے ہوں گے۔ آخری وار اس نے آزمایا کہ صاف صاف کہہ دیا کہ "جس دولت کے بل پر عیش کر رہے ہو یہ تمہارے مشرک باپ کی دولت ہے' اس پر اب تمہارا کوئی حق نہیں۔ اگر ماں باپ کا دین چھوڑا ہے تو ان کے گھر سے بھی نکل جاؤ۔ اس نے سوچا کہ جب یہ عیش و عشرت کی زندگی ہاتھ سے نکلتی نظر آئے گی تو یہ نشہ ہرن ہو جائے گا' دن میں تارے نظر آ جائیں گے اور یہ توحید ہوا ہو جائے گی۔ لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ نے یہ سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہ اُٹھ کر چلنے لگے تو چچا نے کہا کہ اچھا یہ کپڑے بھی اسی باپ کے ہیں' ان کو ابھی اتار دو۔ آپؓ نے کپڑے بھی وہیں چھوڑ دیئے اور مادر زاد برہنہ ہو کر گھر سے نکلے ہیں۔ پھر وہی مصعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب

بیعت عقبہ اولیٰ ہوئی اور مدینہ کے لوگوں نے کہا کہ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائے' تو قرعہ فال حضرت مصعبؓ کے نام نکلا' حضور ﷺ نے کہا کہ جاؤ یثرب میں قرآن پڑھاؤ۔ حضرت مصعبؓ وہاں جا کر "المقری" بن گئے۔ ایک سال کی محنت' دعوت و تبلیغ اور قرآن پڑھانے کے نتیجے میں اگلے سال ۷۵ افراد لا کر حضور ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ ہجرت کے بعد کا ایک واقعہ ہے کہ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے' سامنے سے حضرت مصعبؓ گزرے' ایک پھٹا ہوا کمبل جسم سے لپٹا ہوا تھا' انہیں اس حالت میں دیکھ کر حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اللہ اور رسول کا دیوانہ کہاں سے کہاں پہنچا ہے۔ حضرت مصعبؓ کی شہادت غزوۂ اُحد میں ہوئی۔ علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ جس ہاتھ میں علم تھا اس پر وار پڑا تو کٹ گیا' دوسرے سے پکڑا تو کافروں نے دوسرا بھی کاٹ دیا۔ پھر دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علم سنبھالا۔ کفار نے تیر برسائے اور آپؓ شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس سے ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ دفن کرنے لگے تو یہ مسئلہ درپیش آ گیا کہ مصعبؓ کی چادر تو اتنی چھوٹی ہے کہ سر ڈھانپتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں' پیر ڈھانپتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے' کیونکہ شہید کو تو اس کے اسی لباس ہی میں دفن کیا جاتا ہے جو اس نے شہادت کے وقت پہنا ہو۔ حضور ﷺ سے کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "سر چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس لا کر ڈال دو"۔ یہ حضرت مصعبؓ کا آخری لباس ہے جو انہیں نصیب ہوا۔ یہ ہے ترکِ دُنیا کا مثبت تصور' یعنی جہاد و قتال اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لئے اپنے معاشی معاملے کو پیچھے رکھ کر کم سے کم تر کرتے چلے جانا اور زیادہ سے زیادہ وقت' مال اور صلاحیت دین کی جدوجہد کے لئے نکالتے چلے جانا۔ یہ ترکِ دُنیا ظلم کے استیصال کے لئے' حق کا بول بالا کرنے کے لئے' عدل کے نظام کو برپا کرنے کے لئے profound اور نتیجہ خیز ہے۔ قرآن ہمیں اس طرف لانا چاہتا ہے۔ ورنہ آج بقول اقبال ؎

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امین

خانقاہی نظام کی آمد —— کیوں اور کیسے؟

ہمارے ہاں بھی وہ خانقاہی نظام آیا ہے' اگرچہ اس درجے میں نہیں آیا جو اس نظام

نے Christian Monasticism میں شکلیں اختیار کیں، لیکن بہرحال آیا ضرور ہے۔ مثلاً مراقبے، ذکر، اشغال، لطائف۔ اور ہر لطیفے کی ایک الگ روشنی ہے، کوئی نیلی ہے، کوئی پیلی ہے۔ میں ان کی نفی نہیں کرتا لیکن حضور ﷺ نے یہ سب نہیں سکھایا۔ علم نجوم وغیرہ کی بھی اپنی جگہ حقیقت ہے لیکن ہمیں اس سے روک دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ چیزیں ہمارے ہاں کیوں اور کیسے آئیں؟ کچھ لوگ تو تصوف کے پورے سلسلے کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے، یہ نیا دین ہے، حالانکہ یہ بات نہیں۔ ہمیں پوری ہمدردی کے ساتھ سمجھنا چاہئے کہ یہ آیا کیسے؟ دیکھئے تصوفِ محمدی ﷺ یا سلوکِ محمدی ﷺ تو یہ تھا کہ دعوت، جہاد، دین کا غلبہ، اور اس کیلئے تن من دھن لگا دینا۔ اسی میں ترکِ دنیا بھی آ گیا۔ اس لئے فرمایا کہ اسلام کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آخر جہاد کیلئے لذتیں چھوڑنی پڑتی ہیں، گھروں کی آسائشیں چھوڑ کر ہی میدان میں آئیں گے۔

اس حوالے سے جب خلافت راشدہ کا نظام ختم ہوا اور ملوکیت کے دور کا آغاز ہو گیا تو جہاد و قتال کا راستہ بند ہو گیا۔ اگرچہ تین چار کوششیں اس خرابی کو ٹھیک کرنے کیلئے ہوئی ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور شہید ہو گئے اور دنیاوی اعتبار سے ناکام ہو گئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میدان میں آئے، انہیں تھوڑی سی کامیابی ہوئی لیکن اسے زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر حضرت نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ آئے، لیکن کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ چنانچہ مسلمان اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ حکومت کی اس چھت کو تو ہم نہیں ہٹا سکتے، نتیجتاً جہاد و قتال کا راستہ بند ہو گیا۔ حکمران کیسے بھی ہیں، مسلمان تو ہیں، کلمہ گو ہیں، چاہے ان میں کچھ فاسق و فاجر بھی ہوں، لیکن شریعت کے احکام نافذ کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے عوام کے ہاتھ بندھ گئے۔ اُس وقت جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے متبادل کے طور پر تزکیۂ نفس کے لئے کچھ طریقے اختیار کئے گئے۔ چنانچہ نوافل اور اذکار پر زیادہ زور ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ آپ کسی چھت کے نیچے اگر کوئی درخت اُگائیں تو وہ چھت تک تو جائے گا لیکن چھت کو پھاڑ تو نہیں سکتا لہٰذا وہ ایک طرف مڑ جائے گا۔ بالکل اسی طرح ہمارے ہاں یہ deflection ہوئی ہے جس سے خانقاہی نظام وجود میں آیا کہ لوگوں کو کچھ خیر سکھاتے رہو، کچھ تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے رہو۔ اس نظام میں پھر مشرق و مغرب سے آنے والے نظریات اور طریقے بھی شامل ہو گئے۔ کچھ

ہندوستانی اور کچھ یونانی تصوف کے معاملات اور کچھ نوفلاطونی نظریات وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے خانقاہی نظام میں شامل ہو گئے۔

دورِ حاضر میں سلوکِ محمدیؐ کی ضرورت

آج کا دور دو اعتبارات سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ آج ہمیں پھر سلوکِ محمدی ﷺ کی ضرورت ہے، کیونکہ حکومت مسلمانوں کی ہی، لیکن قانون اسلامی نافذ نہیں ہے۔ اگرچہ اُس وقت بھی مسلمانوں کی آئیڈیل حکومت موجود نہیں تھی، نہ ہی حاکم وقت "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے حکم کے مطابق، مسلمانوں کے مشورہ سے منتخب ہوتا تھا، بلکہ ایک موروثی نظام چل پڑا تھا اور ایک قبیلے کی عصبیت اس کی پشت پناہ بن گئی تھی، لیکن اسلام کا قانون نافذ تھا، قاضی و مفتی شریعت اسلامی کے مطابق آج جو ایک بنیادی فرق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ حکومت مسلمانوں کی ہے، لیکن قانون قرآن کا نافذ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ آج انسان کا اجتماعی شعور ترقی کر کے اس سطح تک پہنچ چکا ہے کہ ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ نظام کو بدلنے کی کوشش کرے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر آپ نظام کی اصلاح کیلئے کھڑے ہوئے تو سمجھا جاتا تھا کہ حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور یہ باغی ہیں۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی کہا گیا اور باغی واجب القتل ہوتا ہے۔ وہ کلمہ گو ہی تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اُس وقت یہ تصور ہی نہیں تھا کہ حکومت الگ شے ہے اور ریاست الگ شے ہے۔ آج یہ تصور بالکل واضح ہو گیا ہے کہ ہم ریاست پاکستان کے وفادار ہیں، حکومت پاکستان کے نہیں، حکومت کو بدلنا ہمارا حق ہے البتہ آج حکومت بدلنے کے دو مروجہ طریقے ہیں۔ ایک انتخابات کا طریقہ ہے اور دوسرا احتجاج کا طریقہ، بشرطیکہ احتجاج پُرامن ہو، توڑ پھوڑ نہ کی جائے، کسی کی جان و مال اور جائیداد کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ لوگ خود مرنے کو تیار ہو جائیں، گولیاں کھائیں، جیلوں میں جائیں۔ ایک وقت آئے گا جب جیلیں بھر جائیں گی یا ایک وقت ایسا ہو گا جب فوج گولیاں چلانے سے انکار کر دے گی۔ جیسے کہ بھٹو کے زمانے میں قومی اتحاد کی تحریک چلی تھی اور بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل کے ساتھ تین بریگیڈیئروں نے حکومت سے کہہ دیا تھا کہ اب ہم اپنی قوم پر مزید گولیاں نہیں چلائیں گے، یہ ہمارے اپنے ہی تو ہیں۔ ہماری فوج کوئی غیر ملکی قابض فوج تو نہیں تھی، جیسے جلیانوالہ باغ میں اگر ہزاروں افراد مر گئے تو جنرل ڈائر

کو اس سے کیا تعلق' کیونکہ مرنے والے ہندو' مسلمان یا سکھ تھے' جو سب ہندوستانی تھے۔ لیکن یہاں حکومت کے حکم پر جب فوج احتجاج کرنے والوں کو مارے گی تو ہو سکتا ہے جو گولی چلا رہا ہے اس کا بھانجا یا بھتیجا سامنے ہو۔ مختصراً یہ کہ یہ دونوں راستے اس وقت تبدیلیٔ حکومت کیلئے کھلے ہیں۔ البتہ جو لوگ سمجھتے ہیں یا سمجھتے رہے ہیں کہ الیکشن کے ذریعے سے حکومت حاصل کر کے نظام بدلا جا سکتا ہے تو اب ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بات پر آج تقریباً اتفاقِ رائے ہو چکا ہے کہ الیکشن کے ذریعے سے نظام نہیں بدلا جا سکتا' چہرے اور ہاتھ ضرور بدل جائیں گے' اس لئے کہ یہاں جو بھی سیاسی' معاشی' معاشرتی سسٹم موجود ہے اس میں بہتر سے بہتر الیکشن بھی ہو جائے تو نتیجہ وہی رہے گا کہ اگر جاگیردار ہیں تو ۸۰ فیصد جاگیردار ہی اسمبلی میں بیٹھے ہوں گے۔ جاگیرداری اور زمینداری نظام اس سے ختم نہیں ہو گا۔ صرف احتجاج کا راستہ ہے جس سے نظام بدلا جا سکتا ہے' لیکن احتجاج کرنے کے لئے اور دین کو قائم کرنے کے لئے میدان میں وہ لوگ آئیں جو پہلے اپنی ذات اور اپنے گھروں میں دین نافذ کر چکے ہوں' اپنی معاش کو حرام سے پاک کر چکے ہوں' اپنی معاشرت کو درست کر چکے ہوں۔ یہ دو کام اگر نہیں کئے تو بہتر ہے کہ گھر میں بیٹھے رہیں باہر نہ نکلیں اور دین کا نام لے کر دین کو بدنام نہ کریں۔ لیکن اگر یہ مرحلہ طے کر لیں تو پھر ایک بنیانِ مرصوص بن کر پہلے نہی عن المنکر باللسان کریں اور جب تک کافی طاقت مہیا نہ ہو اُس وقت تک دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ "تم میں ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے' نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔"

ابتدا میں یہ سب زبان سے ہو گا' تحریر و تقریر اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع استعمال کئے جائیں گے لیکن جب کافی طاقت مہیا ہو جائے گی تب "نہی عن المنکر بالید" ہو گا کہ اب ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے' اب یہ سودی بینک نہیں چلیں گے' انکا گھیراؤ کریں گے۔ اخبارات میں فحاشی پر مبنی رنگین صفحات نہیں شائع ہونے دیں گے' کراچی میں ایم کیو ایم نے صرف اس بات پر روزنامہ جنگ کا گھیراؤ کیا تھا کہ یہ اخبار ہماری خبریں صحیح طور پر شائع

نہیں کر رہا' پھر صورت یہ ہوئی کہ الطاف صاحب کو چھینک بھی آتی تھی تو پہلے صفحے پر خبر لگتی تھی۔ کچھ کرنے کے لئے ہمیں میدان میں آنا پڑے گا۔

یہ ہے وہ اصل ترکِ دُنیا یا سلوکِ محمدیؐ جس کے ضمن میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اور دُنیا کی مثال تو راہ چلتے مسافر کی ہے جو کچھ دیر ستانے کے لئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے' پھر وہ اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ سے بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

"اے نبی! ان سے کہہ دیجئے' اگر تمہیں اپنے باپ' اپنے بیٹے' اپنے بھائی' اپنی بیویاں' اپنے رشتہ دار' اپنے وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں' وہ کاروبار جن کے خسارے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے' اور وہ گھر (کوٹھیاں اور حویلیاں) جو تمہیں بہت پسند ہیں (جو تم نے بہت چاہت سے بنائی اور سجائی ہیں) اگر (یہ آٹھ چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو جاؤ انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

یہ ہے ترکِ دُنیا کا قرآنی تصور کہ ساری محبتیں اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے تابع ہو جائیں۔ بقولِ اقبال ؎

یہ مال و دولت دُنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گمان لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

گویا دُنیا کو اس معنی میں متاعِ غرور کہا گیا ہے کہ دُنیا کی کوئی شے اور اس کی محبت دعوت و اقامت دین کی جدوجہد کے راستے میں بیڑی بن کر ہمارے پاؤں میں نہ پڑ جائے۔ اگر یہ اس راہ کی رکاوٹ ہے تو یہ دُنیا متاعِ غرور ہے' دھوکا ہے' فریب ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ آپ اس راستے پر چل رہے ہیں جس پر حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم چلے تو

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

نماز میں خشوع

حقیقت واہمیت اور اسباب (۲)

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد حفظہ اللہ
ترجمہ و تفہیم : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور عفی اللہ عنہ

○

(ا) خشوع پیدا کرنے یا مضبوط کرنے والے کاموں کا اہتمام کرنا

③ نماز میں موت کو یاد کرنا : اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((اُذْكُرِ الْمَوْتَ فِيْ صَلَاتِكَ ، فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ذَكَرَ الْمَوْتَ فِي صَلَاتِهِ لَحَرِيٌّ اَنْ يُحْسِنَ صَلَاتَهُ ، وَصَلِّ صَلَاةَ رَجُلٍ لَا يَظُنُّ اَنَّهُ يُصَلِّي غَيْرَهَا)) (۲۳)

"دورانِ نماز موت کو یاد رکھو، جب انسان دورانِ نماز موت کو یاد کرلے تو یقیناً وہ نماز کو عمدہ اسلوب سے ادا کرے گا۔ اور اُس آدمی کی طرح نماز پڑھو جس کو یقین نہ ہو کہ اگلی نماز پڑھ سکے گا"۔

حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کو اسی معنی میں وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا قُمْتَ فِيْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ)) (۲۴)

"جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اسے الوداعی نماز سمجھ کر ادا کیا کرو"۔

یعنی اس یقین کے ساتھ نماز ادا کیا کرو کہ مجھے اگلی نماز نہیں ملے گی۔ اور جب ہر نمازی کو بالآخر مرنا ہی ہے اور یقیناً آخری نماز کا مرحلہ بھی آنا ہے تو جو نماز وہ ادا کر رہا ہے اس میں مکمل خشوع کا اہتمام کرلے، اسے کیا خبر کہ شاید یہ اس کی آخری نماز ہی ہو۔

④ قرآنی آیات اور اذکارِ نماز پر غور و فکر اور حسب حال ان کا جواب دینا :

قرآن حکیم غور و فکر کے لئے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾

(صٓ : ۲۹)

"بابرکت کتاب ہم نے آپؐ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور تاکہ عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں"۔

اور قرآن پر غور و فکر اُسی وقت ہو سکے گا جب پڑھنے والے کو اس کے معانی آتے ہوں گے۔ اس کے نتیجہ میں وہ سوچ بچار کر سکے گا اور بالآخر اس سے اثر قبول کر لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ ﴾

(الفرقان : ۷۳)

"اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے"۔

اس موقع پر تفسیر[۲۵] کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ "مجھے اس آدمی کے بارے میں بڑی حیرانی ہوتی ہے جو بلا سمجھے قرآن پڑھتا ہے' آخر اسے قرآن کی لذت کیسے ملتی ہوگی؟"[۲۶]

آیاتِ قرآنیہ کو بار بار دہرانا اور معنی پر بار بار غور کرنا تدبر کے لئے بہت زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے' اور یہ نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ ایک رات (نماز تہجد کے لئے) کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی آیت کو دہراتے رہے۔ وہ آیت یہ تھی :

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾[۲۷] (المائدۃ : ۱۱۸)

"(اے اللہ!) اگر آپ انہیں عذاب دیں تو بھی یہ آپ کے بندے ہیں' اور اگر آپ انہیں معاف کر دیں تو یقیناً آپ غالب اور حکمت والے ہیں"۔

اسی طرح جو دوسری چیز تدبر آیات کے لئے معاون ہوتی ہے وہ ہے حسب حال اثر قبول کرتے ہوئے آیات کا جواب دینا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ الفاظ کو لمبا کر کے پڑھ رہے تھے۔ جب تسبیح والی آیت سے گزر ہوتا تو آپ تسبیح کرتے اور جب سوال کے قابل آیت سے گزر ہوتا تو آپ سوال کرتے اور جب تعوذ کے قابل آیت سے گزر ہوتا تو آپ اللہ سے پناہ کی درخواست کرتے"۔ (۲۸)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کی تو جب رحمت پر مشتمل آیت سے گزر ہوا تو رحمت کا سوال کیا اور جب عذاب والی آیت سے گزر ہوا تو اللہ سے پناہ کی درخواست کی اور جب ایسی آیت آئی جس میں اللہ کی عظمت بیان ہوئی ہے تو تسبیح بیان کی۔" (۲۹)

یہ اندازِ قیام و قراءت تہجد کی نماز میں بیان ہوا ہے۔

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں' ساری رات ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ہی پڑھتے رہے' اور کچھ نہیں پڑھا۔ (۳۰)

جناب سعید بن عبید الطائی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ رمضان میں امامت کروا رہے تھے' میں نے سنا کہ وہ بار بار صرف یہی آیت دہرا رہے تھے:

﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○ اِذَا الْاَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ط يُسْحَبُوْنَ○ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ○ ﴾

(المومن/غافر : ۷۰-۷۲)

"عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں' جن سے پکڑ کر وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف کھینچے جائیں گے اور پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے"۔

اور جناب القاسم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نماز میں کھڑے ہوئے اور بیس سے زیادہ مرتبہ ایک ہی آیت دہراتے رہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ..... ﴾ (البقرة : ۲۸۱)

"اُس دن (کی رسوائی و مصیبت) سے بچو جبکہ تم اللہ کی طرف واپس لوٹائے جاؤ گے' پھر وہاں ہر شخص کو اس (کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی) کا پورا پورا بدلہ مل

جائے گا۔"

ابو عبداللہ القیسی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کیا تو آپ تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور فجر کی اذان تک ایک ہی آیت دہراتے رہے :

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ (ابراھیم : ۳۴)

"اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے"۔

ہم نے صبح کو آپ سے دریافت کیا : اے ابو سعید! (حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے) ساری رات آپ ایک ہی آیت پڑھتے رہے' آخر کیا ماجرا ہے؟ فرمایا: "اس میں عبرت کا سامان ہے۔ ایک دفعہ آنکھ بند کرنے اور ایک دفعہ کھولنے میں بھی نعمت ہے اور جن نعمتوں کو ہم پہچانتے ہی نہیں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے"۔ (۳۱)

جناب ہارون بن رباب الاسیدی رحمۃ اللہ علیہ رات کو تہجد کے لئے کھڑے ہوتے اور کبھی کبھی یہی آیت صبح تک دہراتے رہتے اور روتے رہتے :

﴿ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(الانعام : ۲۷)

"اُس وقت وہ کہیں گے : کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دنیا میں پھر واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں"۔

قرآن حکیم کو زیادہ سے زیادہ زبانی یاد کرنا اور اسی طرح مختلف قسم کے اذکار جو نماز کے مختلف حصوں میں پڑھے جاتے ہیں ان کو یاد کرنا' تدبر کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے' تاکہ آدمی مختلف اوقات میں ان کو پڑھتا رہے' انہیں یاد رکھے اور ان میں غور کرتا رہے۔ تدبر و تفکر' بار بار دہرانا اور آیات کا جواب دینا بلاشبہ خشوع کو زیادہ کرنے میں عظیم کردار رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ ﴾ (الاسراء : ۱۰۹)

"اور وہ روتے ہوئے منہ کے بل گر جاتے ہیں اور اسے سن کر ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے"۔

ایک انتہائی پُر تاثیر واقعہ ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود قرآنی آیات پر کس قدر غور فرماتے تھے اور آپ پر خشوع کی کیفیت کس انداز

سے طاری ہوتی تھی۔ حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب عبید بن عمیر نے درخواست کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہمیں کوئی ایسا واقعہ بتائیں جو آپ کو سب سے زیادہ بھلا لگا ہو۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اور فرمایا :

"ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے عائشہ! آج مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے دو"۔ میں نے کہا: "اللہ کی قسم مجھے آپ کا قرب پسند ہے اور جو چیز آپ کو خوش کرے وہ بھی پسند ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں : "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور وضو فرمایا' پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی گیلی ہو گئی' پھر آپ روتے رہے یہاں تک کہ قمیض کا اگلا حصہ گیلا ہو گیا اور پھر روتے رہے حتیٰ کہ زمین بھی نمدار ہو گئی۔ اس دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کا کہنے آ گئے۔ دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا :

((اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا؟ لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَ آيَاتٌ ' وَيْلٌ لِمَنْ قَرَءَ هَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ مَا فِيهَا : اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ....)) (۳۲)

"کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آج رات مجھ پر کچھ آیات نازل ہوئی ہیں۔ اس آدمی کی تباہی و بربادی ہے جو ان کو پڑھے اور ان میں غور نہ کرے اور یہ آیات ہیں ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰) "زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ہوشمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں"۔

سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا بھی آیات کے جواب میں شامل ہے اور اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (۳۳)

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' کیونکہ جس آدمی کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

اسی طرح جب امام "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے تو مقتدی "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہے' اس کا بھی بڑا اجر ہے۔ حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد کہا: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ"۔ ایک آدمی نے پیچھے سے جواب میں کہا: "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حمدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ" آپ نے نماز سے فراغت کے بعد دریافت کیا: "کس نے جواب دیا تھا؟" ایک آدمی نے کہا "مَیں نے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((رَاَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُم يَكْتُبُهَا اَوَّل)) (۳۴)

"میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا' ہر ایک اس جواب کو پہلے لکھنے کے لئے لپک رہا تھا"۔

⑤ ہر آیت پر رُکنا : یہ اسلوب معنی کو سمجھنے اور غور کرنے کے لئے بہت زیادہ مفید ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھ کر رُک جاتے' پھر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ پڑھ کر رُک جاتے' پھر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ پڑھتے۔ اسی طرح ہر آیت پر رُکتے جاتے"۔ (۳۵)

آیات پر رُکنا سنتِ نبویؐ ہے چاہے اس آیت کا معنوی تعلق اگلی آیت سے باقی ہو۔

⑥ قرآن حکیم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور آواز کو خوبصورت بنانا : اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ (المزمل : ۴) "اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک حرف کو بنا سنوار کر پڑھتے تھے (۳۶) اور آپ ﷺ ایک سورت اس ترتیل کے ساتھ پڑھتے کہ وہ اپنے حجم سے بڑی سورت سے بھی بڑی محسوس ہوتی۔ (۳۷) جلدی جلدی پڑھنے کے مقابلے میں آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں غور و فکر اور خشوع کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔

اچھی اور خوبصورت آواز کے ساتھ تلاوت بھی خشوع کے لئے معاون ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا :

((زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا))

"قرآن کو خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھا کرو کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اور اضافہ کر دیتی ہے"۔ (۳۸)

اچھی آواز میں پڑھنے سے مُراد قرآن کو غیر ضروری لمبا کر کے پڑھنا نہیں ہے اور نہ ہی گانے والوں کے انداز میں پڑھنا مُراد ہے' بلکہ اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ آواز میں خوبی پیدا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ صَوتًا بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ اِذَا سَمِعْتُمُوْهُ يَقْرَءُ حَسِبْتُمُوْهُ يَخْشَى اللّٰهَ)) (۳۹)

"سب سے اچھا قرآن وہ آدمی پڑھتا ہے جس کو تم قرآن پڑھتے ہوئے سنو تو تم کو یقین ہو کہ یہ آدمی اللہ سے ڈر رہا ہے"۔

⑦ نمازی کو معلوم رہے کہ اللہ اسکی نماز کا جواب دے رہا ہے : رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر رکھا ہے اور میرے بندے کا ہے جو وہ مانگ لے۔ پس جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "میرے بندے نے میری تعریف کی ہے"۔ اور جب بندہ ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے: "میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے" اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے "یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے نے جو مانگ لیا وہ اس کا ہے"۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ کہتا ہے "یہ میرے بندے کا حق ہے اور جو میرے بندے نے مانگ لیا وہ اس کا ہوا"۔ (۴۰)

یہ حدیث بہت عظیم ہے۔ اگر ہر نمازی کے دھیان میں رہے تو اس میں خود بخود ہی بے انتہا خشوع پیدا ہو جائے اور اس پر سورۂ فاتحہ کا عظیم اثر مرتب ہو۔ اس طرح اس کو احساس ہو جائے گا کہ اس کا رب اس سے گفتگو کر رہا ہے اور اس کی مُرادیں پوری کر رہا ہے[1] لہٰذا نمازی کو اس گفتگو کی قدر کرنی چاہیئے اور اس کو احترام دینا چاہیئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا :

"جب تم میں سے کوئی کھڑا نماز پڑھ رہا ہو در حقیقت وہ اپنے رب سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ اسے خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کس انداز سے باتیں کر رہا ہے"۔ (۴۱)

⑧ اوٹ کے قریب نماز پڑھنا : نماز میں جن کاموں کے ذریعے خشوع حاصل ہوتا ہے ان میں سے ایک سُترے (اوٹ) کا اہتمام کرنا اور اس کے قریب ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ اس سے نمازی کی نگاہ محدود علاقے میں رہتی ہے' شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور لوگ بھی اس کے سامنے سے نہیں گزرتے' کیونکہ لوگوں کا سامنے سے گزرنا نمازی کو ذہنی طور پر پریشان کرتا ہے۔ اس طرح اجر کم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلْیُصَلِّ اِلٰی سُتْرَۃٍ فَلْیَدْنُ مِنْھَا)) (۴۲)

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سامنے سُترہ (اوٹ) رکھ لے اور اس کے قریب ہو کر کھڑا ہو"۔

سُترے کے قریب کھڑے ہونے کا بہت فائدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی سُتْرَۃٍ فَلْیَدْنُ مِنْھَا لَا یَقْطَعُ الشَّیْطَانُ عَلَیْہِ صَلَاتَہٗ)) (۴۳)

"جب تم نماز میں سُترہ بناؤ تو اس کے قریب کھڑے ہو۔ اس طرح شیطان اس کی نماز نہیں توڑ سکتا"۔

سُترے اور نمازی کے درمیان تین ہاتھ (ساڑھے چار فٹ) کا فاصلہ ہونا چاہیئے' سجدہ گاہ اور سُترے کے درمیان اتنی جگہ ہو کہ بکری گزر سکے۔ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ (۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے نمازی کو تاکید کی ہے کہ کسی کو اپنے اور سُترے کے درمیان سے نہ گزرنے دے۔ فرمایا :

((اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ یُصَلِّی فلا یَدَعْ اَحداً یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلْیَدْرَأْہُ مَا اسْتَطَاعَ ' فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّ مَعَہُ الْقَرِیْنُ)) (۴۵)

"تم میں سے جب کوئی نماز ادا کر رہا ہو تو کسی کو سامنے سے نہ گزرنے دے' جس حد تک ہو سکتا ہو گزرنے والے کو روکے' اور اگر وہ زبردستی کرے تو اس کے

ساتھ جھگڑا کرے کیونکہ گزرنے والے کے ساتھ شیطان ہے"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "سُترے کی حکمت یہ ہے کہ نظر اس کے پار جانے سے رک جاتی ہے اور قریب سے گزرنے والا بھی رک جاتا ہے' اور سُترہ شیطان کو بھی روکتا ہے جس کے گزرنے سے نماز ضائع ہو جاتی ہے"۔ (۴۶)

⑨ **دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر سینے پر باندھنا** : رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے (۴۷) اور ان دونوں کو سینے پر رکھتے۔ (۴۸) آپ ﷺ نے فرمایا : "ہم انبیاء کی جماعت کو حکم ملا ہے کہ ہم نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھیں"۔ (۴۹)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں قیام کے دوران دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ آپؒ نے جواب دیا کہ غالب و عزیز ذات کے سامنے یہ عاجزی کی شکل ہے۔ (۵۰) امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ علماء نے بتایا ہے کہ نماز میں اس ہیئت میں کھڑے ہونے کی حکمت یہ ہے کہ :

۱) یہ ایک بے بس سوالی کا سا انداز ہے۔

۲) اس طرح کھڑے ہونا بے کار اور فضول کاموں سے روک دیتا ہے۔

۳) اور خشوع کے قریب تر شکل ہے۔ (۵۱)

⑩ **سجدہ گاہ پر نظر ٹکائے رکھنا** : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو سر کو جھکا لیتے اور اپنی نگاہ کو زمین پر ٹکا دیتے۔ (۵۲) اور جب آپؐ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے نکلنے تک اپنی نگاہ کو سجدے کی جگہ سے نہیں ہٹایا۔ (۵۳) البتہ نمازی جب تشہد کے لئے بیٹھے تو جس انگلی کو ہلا کر اشارہ کر رہا ہو اس کی طرف دیکھتا رہے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ "جب آپؐ تشہد کے لئے بیٹھتے تو انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے قبلہ کی طرف اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ کو اُسی پر جمائے رکھتے"۔ (۵۴)

دوسری روایت میں ہے : "آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی سے اشارہ کیا اور اپنی نگاہ کو اشارے پر ٹکائے رکھا"۔ (۵۵)

نماز میں آنکھیں بند کرنا

بعض نمازیوں کے ذہن میں یہ سوال گردش کرتا رہتا ہے کہ دوران نماز آنکھیں بند کرنے کا کیا حکم ہے؟ بالخصوص جبکہ نمازی اس طرح اضافی خشوع محسوس کرتا ہو۔

جواب : یہ کام رسول اللہ ﷺ کی سُنّت کے خلاف ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ دورانِ نماز آنکھیں بند کرنے کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ اس طرح سجدے والی جگہ پر نظر ٹکانے والی سُنّت رہ جاتی ہے اور تشہد میں شہادت کی انگلی کی طرف دیکھنے کی سُنّت بھی رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود مسئلے کو تفصیل سے سمجھنا ضروری ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ اس مسئلے کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں :

"دوران نماز آنکھیں بند کرنا نبی ﷺ کی سُنّت و ہدایت کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آپؐ تشہد میں اپنی نگاہ کو شہادت والی انگلی پر جمائے رکھتے اور آپؐ کی نگاہ انگلی سے آگے نہ بڑھتی۔

دورانِ نماز آنکھیں کھلی رکھنے کے متعدد دلائل ہیں، مثلاً :

نمازِ کسوف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے جنّت کے انگور دیکھے تو انہیں لینے کے لئے ہاتھوں کو بڑھایا۔ اسی طرح آپؐ نے آگ دیکھی، بلی کو باندھنے والی عورت دیکھی اور وہ آدمی دیکھا جو اپنی کھونڈی [۵۶] سے حاجیوں کا مال اُچک لیتا تھا۔ نیز آپؐ نے اس جانور کو بھی روک دیا جو آپؐ کے سامنے سے گزرنا چاہتا تھا اور ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی آپؐ نے منع کر کے دوسری لڑکیوں میں بٹھا دیا۔ دورانِ نماز آپؐ نے سلام کرنے والے کو بھی ہاتھ سے اشارہ کر کے جواب دیا۔ اس طرح کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ ایک حدیث میں تذکرہ ہے کہ (نماز کے دوران) شیطان آپؐ کے سامنے آ گیا تو آپؐ نے اسے پکڑ کر اس کا گلا دبا دیا اور آپؐ نے اسے کھلی آنکھ سے دیکھا تھا۔ مذکورہ بالا احادیث اور ان کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی یہ یقینی علم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔

البتہ آنکھیں بند کر کے نماز کے مکروہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد اور دیگر ائمہ نے اسے مکروہ کہا ہے، انہوں نے کہا کہ دورانِ نماز آنکھیں بند کرنا یہودیوں کا طریقہ ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے آنکھیں بند کرنے کو مباح قرار دیا ہے اور مکروہ نہیں کہا۔ صحیح رائے یہ ہے کہ اگر آنکھیں کھول کر نماز پڑھنے سے خشوع میں خلل نہ پڑتا ہو تو آنکھیں کھولنا افضل ہے۔ اور اگر آنکھیں کھولنے سے خشوع ختم ہو جاتا ہو' یا اس میں کمی آجاتی ہو تو آنکھیں بند کرنا افضل ہے' مثلاً سامنے بیل بوٹے بنے ہوں یا کچھ اس طرح کے نقش و نگار کئے گئے ہوں جن کی وجہ سے دل اس طرف متوجہ ہوتا ہو۔ اگر اصولِ شریعت اور مقاصد کو سامنے رکھا جائے تو کراہت کی بجائے ان حالات میں آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے"۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا اصول یہ طے پایا کہ آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا اصل سُنّت ہے' ہاں اگر کسی وجہ سے خشوع میں فرق آرہا ہو تو آنکھیں بند کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(جاری ہے)

حواشی

۲۳) مسند الفردوس للدیلمی ۱/۴۳۱' ح ۱۷۵۵۔ علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ سلسلة الاحادیث الصحیحه' ح ۱۴۲۱۔

۲۴) مسند احمد ۵/۴۱۲ و سنن ابن ماجه' کتاب الزهد' باب الحکمة' ح ۴۱۷۱۔ حدیث حسن ہے۔

۲۵) قرآن حکیم کو باترجمہ پڑھنا خاصا مفید ہے لیکن اگر کسی مستند تفسیر کی روشنی میں پڑھا جائے تو فائدہ دوچند ہو جاتا ہے۔ اس دور میں احسن البیان اور تفہیم القرآن عام آدمی کے لئے مفید تفسیریں ہیں' دونوں کا انداز مختلف ہے اور اگر دونوں سے فائدہ اٹھایا جائے تو نور علیٰ نور ہے۔

۲۶) مقدمہ تفسیر الطبری از محمود شاکر ۱/۱۰۔

۲۷) صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۷۱ و مسند احمد ۵/۱۴۹

۲۸) صحیح مسلم' کتاب صلاة المسافرین' باب استحباب تطویل القراءة فی صلاة اللیل' ح ۷۷۲

۲۹) تعظیم قدر الصلاة ۱/۳۲۷

۳۰) مسند احمد ۳/۴۳ و صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ' ح ۴۷۲۶

۳۱) التذکار للقرطبی' ص ۱۲۵

۳۲) صحیح ابن حبان الاحسان ۲/۳۸۶ ح ۶۲۰۔ شعیب الارناؤوط اور علامہ الالبانی نے حدیث کو

سلسلۃ الاحادیث' ح۶۸ میں قوی اور جید قرار دیا ہے۔

۳۳) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب جھر الامام بالتامین' ح۷۴۷ و صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب التسمیع والتحمید والتامین' ح۴۱۰

۳۴) صحیح البخاری' کتاب صفۃ الصلاۃ' باب فضل اللّٰھم ربنا ولک الحمد' ح۷۹۶

۳۵) سنن النسائی' ابواب القراءات' ح۹۰۷ و سنن ابی داؤد' کتاب القراءات' ح۴۰۰۱۔ حدیث صحیح ہے۔

۳۶) مسند احمد ۶/۲۹۴ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' ح۱۴۲۶ و سنن النسائی ۲/۵۳۳' ح۱۰۲۱

۳۷) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین' باب جواز النافلۃ قائماً و قاعداً' ح۷۳۳

۳۸) المستدرک للحاکم ۱/۵۷۵ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب ۳۵۵' ح۱۴۶۸

۳۹) سنن ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلاۃ' باب فی حسن الصوت بالقرآن' ح۱۳۳۹۔ حدیث صحیح ہے۔

۴۰) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحہ' ح۳۹۵

۱؎ گویا بقول علامہ اقبال ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اُٹھتے ہیں حجاب آخر' کرتے ہیں خطاب آخر

۴۱) المستدرک للحاکم ۱/۳۳۶۔ اور حدیث صحیح ہے۔

۴۲) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب الدنو من السترۃ' ح۶۹۵

۴۳) حوالہ سابقہ

۴۴) صحیح البخاری' کتاب سترۃ المصلی' باب قدر کم ینبغی ان تکون بین المصلی والسترۃ' ح۴۷۳ و فتح الباری ۱/۶۸۴ ط الریان

۴۵) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' منع المار بین یدی المصلی' ح۵۰۵

۴۶) شرح صحیح مسلم ۴/۲۱۶

۴۷) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری' ج۴۰۱

۴۸) سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلاۃ' ح۷۵۹۔ حدیث صحیح ہے۔

۴۹) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲/۱۵۰' ح۳۸۵۔ علامہ الہیثمی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مجمع الزوائد ۳/۱۵۵' ح۴۸۸۰

۵۰) الخشوع فی الصلاۃ لابن رجب' ص ۲۳
۵۱) فتح الباری ۲/۲۶۲ ط الریان
۵۲) المستدرک للحاکم ۱/۲۷۹۔ علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ صفۃ الصلاۃ' ص ۸۹
۵۳) حوالہ سابقہ۔ علامہ الالبانی نے صحیح کہا ہے۔ ارواء الغلیل ۲/ ۷۳
۵۴) صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۵۵' حدیث ۷۱۹ و صفۃ صلاۃ النبی للالبانی ص ۱۸۵
۵۵) مسند احمد ۴/ ۳ و سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب الاشارۃ فی التشھد' ح ۹۹۰۔
علامہ الالبانی نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
۵۶) وہ لمبی چھڑی جسے بعض لوگ ضرورتاً یا عادتاً ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اس کا ایک کنارہ کافی حد تک گولائی میں مڑا ہوتا ہے۔

بقیہ : متاعِ غرور

یہ دُنیا برتنے کی چیز ہے' اسے استعمال کرو۔ دُنیا تو کھیتی ہے جس پر محنت کرو گے' کوشش و جہاد کرو گے' اسی دُنیا میں دعوت و تبلیغ کا کام کرو گے' تو اس کھیتی کی فصل تمہیں وہاں جا کر کاٹنی ہے۔ بس یہ دونوں پہلو ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔ اسی راہ میں دُنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے لئے ہمارے دلوں کو کھولے۔ اس لئے کہ دل کھلے ہوئے ہوں گے تو ہمارے اندر کوئی تبدیلی آئے گی۔ مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے کسی جگہ بہت پیارا جملہ لکھا ہے کہ اصل تبدیلی دل کی تبدیلی ہے' عقل تو کرائے کی وکیل ہے۔ دل جس طرف جانا چاہتا ہے دماغ اس سمت میں دلائل فراہم کر دیتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے' منزل نہیں ہے

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

(مرتب : فرقان دانش خان)

ایران میں افکارِ اقبال کا اثر

بسلسلۂ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۸)

ڈاکٹر ابو معاذ

علامہ اقبال کی زندگی میں

لاہور میں رہتے ہوئے بھی علامہ اقبال اب خود کو روحانی طور پر سرزمین ایران میں مقیم محسوس کر رہے تھے۔ کبھی تو آپ اصفہان اور خوانسار کے شعراء کے ایجاز و حسن بیان کا ذکر فرماتے، کبھی خطۂ تبریز کی خاک کو اپنی آنکھوں کے سرمہ کا درجہ دے کر اسے نورِ نظر کا سرچشمہ قرار دیتے اور کبھی اہل شیراز سے ہم زبانی کا دعویٰ فرماتے۔ کبھی تبریز کی زرخیز مٹی کے لئے نمی کی آرزو فرماتے ہوئے کہتے کہ آپ اس کشت ویراں کے مستقبل سے ناامید نہیں ہیں اور کسی جلال الدین رومی کے اس خاکِ قدیم سے دوبارہ ظہور کے حسین خواب دیکھتے۔ کبھی آپ کو یہ نظر آتا کہ کسی نہ کسی دن تہران عالم مشرق کا جنیوا بننے والا ہے اور اس کی ممکنہ عالمی مرکزیت کے باعث زمانے کی تقدیر بدلنے والی ہے۔ آپ اپنے اشعار میں دماوند اور الوند کی چوٹیوں کا ذکر فرماتے اور قدیم ایران کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات سے ہم کلام ہو جاتے۔ اصفہان کے بیچوں بیچ گزرنے والے دریا یعنی زندہ رود کا نام اپنے تصوراتی آسمانی سفر میں اپنی ذات کے لئے منتخب فرماتے۔ قدیم ایرانی تاریخ میں زرتشت، مزدک اور مانی کے مذہبی نظریات اور مذہبی کتب اوستا اور ژند و پاژند کے خوبصورت پیرائے میں تذکرے فرماتے اور قدیم اساطیری عہد کے ایرانی بادشاہوں جمشید، کیکاؤس اور کیقباد کے عظیم ادوار کے واقعات کا ذکر شعری تلمیحات کے طور پر فرماتے ہوئے ان سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیتے۔ ہخامنشی دور کے شہنشاہ داریوش (یا دارا) کی وسعت سلطنت اور سکندر

مقدونی کے ہاتھوں اس کے انقراض کا کئی مقامات پر تذکرہ فرماتے اور عہد ساسانی کے ایرانی بادشاہوں اردشیر، قباد، خسرو نوشیروان، خسرو پرویز اور یزدگرد کے ادوار میں بادشاہت کے عروج و زوال کے واضح انداز میں نقشے کھینچتے چلے جاتے، مگر ایران کے قوم پرست شاعر فردوسی کی طرح ان داستانوں پر نوحہ و ماتم کرنے کی بجائے اپنے قارئین کو درسِ عبرت دیتے اور ایران میں اسلام کی اشاعت کو تاریخ ایران کے لئے حیاتِ نو یا حیاتِ جاودان کا مظہر قرار دیتے۔ ایران کی بعد از اسلام تاریخ کا مکمل احاطہ فرماتے ہوئے آپ نادر شاہی اور پہلوی بادشاہت پر ایک انتہائی دلکش پیرائے میں شعر کہتے ہوئے ایران کے استبدادی، ظالمانہ اور عوام کو کچلنے والے فرسودہ شاہی اور مذہبی نظام (جو وہاں پر بدقسمتی سے اسلام کے مقدس نام پر رائج تھا) کا اکثر اوقات دردِ دل کے ساتھ ذکر فرماتے۔ اس طرح آپ ایران کو اسلام کی صحیح روح سے روشناس کروانے کی کوشش میں مگن ہو جاتے۔

یہ انتہائی افسوس ناک امر تھا کہ آپ اپنی زندگی میں ایران میں بطور شاعر اور مفکر کماحقہ مشہور نہ ہو پائے اور آپ کا کلام ماسوائے چند اہل دل افراد کے وہاں پر متعارف نہ ہو سکا۔ اُن دنوں ایران کے مخدوش داخلی حالات کی سنگینی، ایران کی برصغیر سے جبری لاتعلقی (انگریزوں کی وجہ سے) اور ممکنہ صعوباتِ سفر کی وجہ سے باہمی روابط کا عمومی فقدان آڑے آیا۔ پھر بھی افغانستان کے ذریعہ کسی نہ کسی طرح آپ کی کچھ نظمیں اور کتب ایران تک پہنچ گئیں۔ اپنی زندگی میں آپ کسی حد تک نہ صرف افغانستان میں متعارف ہو چکے تھے بلکہ آپ کے سفر افغانستان کے باعث آپ کو وہاں کے علماء، شعراء اور زعماء سے تعارف اور ملاقات کا موقع فراہم ہو چکا تھا اور آپ کی نظمیں اکثر اوقات وہاں کے فارسی ادبی مجلّات کی زینت بنتی رہتی تھیں۔ آپ کی زندگی ہی میں ایران کے ممتاز علمی مجلّہ "سخن" میں آپ کی ایک نظم شائع ہوئی تھی جو کابل کے کسی رسالے سے نقل کی گئی تھی اور غلطی سے آپ کو افغانستان ہی کا ایک شاعر سمجھا گیا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے شعبہ فارسی کے اساتذہ کے ایران کے اہل علم سے اُن دنوں واجبی سے تعلقات بھی کسی نہ کسی حد تک قائم تھے اور ایران سے

لاہور آنے والے اصحاب یا برصغیر سے زیارتوں کے لئے ایران جانے والے حضرات کی پروفیسر اقبال (جو علامہ کے ہم نام تھے) سے میل ملاقات بھی رہتی تھی۔ ان کے ذریعہ سے ہمیں علامہ اقبال کی خط و کتابت کا علم ایران کے اس دور کے کچھ ادباء اور شعراء کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان دانشوروں میں جناب محیط طباطبائی مرحوم اور جناب سعید نفیسی مرحوم کے نام بہت اہم ہیں۔ ان عظیم حضرات نے آپ کے کلام کے محاسن اور فکری بلندی کو سراہا تھا اور انہی کی خط و کتابت کے بعد آپ نے تحریر فرمایا تھا ؎

نوائے من بہ عجم آتشِ کہن برافروخت　　عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبراست

(میری درد بھری شاعری نے ایران میں وہ حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ وہاں کے آتش کدوں کی قدیم آگ کے شعلے دوبارہ بھڑک اٹھے ہیں۔ لیکن ابھی تک عرب کی سرزمین میرے شوق و جذبہ سے معمور نغمہ سے بے خبر ہے۔)

جناب محیط طباطبائی مرحوم

شاہی سرپرستی میں جب ۱۹۳۴ء میں ایران کے مشہور قومی شاعر ابوالقاسم فردوسی کا ہزار سالہ جشن ایران میں منعقد ہوا تو افغانستان سے ممتاز دانشور جناب سرور گویا بھی مدعو کئے گئے اور آپ اس غرض سے تہران تشریف لے گئے۔ سرور نے وہاں ایرانی ادباء اور شعراء کی محفل میں علامہ اقبال کے شعر و فکر کی تعریف کی۔ دوران گفتگو مجلس یعنی پارلیمنٹ کے ایک رکن (غالباً) ملک الشعراء بہار نے کہا کہ میں نے اقبال کے کلام کا ایک مجموعہ دیکھا تو ہے مگر ایران میں ان کے کلام کو ابھی تک چنداں پذیرائی حاصل نہیں ہو پائی۔ جناب محیط طباطبائی کو اس بات پر بے حد دکھ ہوا اور انہوں نے سرور گویا سے علیحدگی میں مل کر علامہ کے چار شعری مجموعوں کی بابت تفصیل سے بات کی اور کہا کہ جاوید نامہ (اشاعت کے دو برس بعد بھی) مجھ تک نہیں پہنچا' آپ کسی طرح میرے لئے اس کے ایک نسخہ کا بندوبست کر دیں۔ محیط طباطبائی نے علامہ اقبال سے متاثر ہو کر آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا مگر آپ اپنی شدید خواہش اور دلی آرزو کے باوجود (جس کا ذکر آپ نے بار بار کیا ہے) علامہ اقبال سے بالمشافہ طور پر مل نہ سکے۔ علامہ اقبال کی وفات کے چھ برس بعد آپ نے اپنے مجلّہ "محیط" کا ایک شمارہ "اقبال نمبر" کی

صورت میں شائع فرمایا۔ ۲۵/اپریل ۱۹۴۴ء کو شائع ہونے والے اس مجلہ کے تمام مضامین محیط کے اپنے ہی قلم سے ہیں۔

آپ نے لکھا کہ علامہ اقبال نے سلطنت عثمانیہ کے انقراض کے بعد اہل مغرب کو اپنی شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اقوام مشرق میں خودی کے جذبہ کو ابھارا ہے اور ایک نئے اور جاندار فلسفے کی بنیاد رکھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اقبال سب سے پہلے ایک مسلمان ہے' پھر ہندی اور پھر ایک ایرانی۔ علامہ کے کلام سے اسلامی ممالک کے لوگوں سے آپ کا عشق و محبت کا جذبہ واضح ہوتا ہے اور آپ خصوصاً افغانستان' ایران اور ہندوستان کے لوگوں کو ان مذموم سازشوں سے آگاہ کرتے ہیں جو اہل مغرب ان میں اسلامی وحدت اور دینی حمیت کو ختم کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ پہلوی دور کی ترقی کے آڑ میں لائی جانے والی سماجی تبدیلیاں علامہ کے عرفانی مزاج سے متصادم ہیں اور آپ ایران کے موجودہ حالات پر تنقید فرماتے ہیں اور اہل مغرب کی اندھی تقلید کو انتہائی مایوسی کے عالم سے دیکھتے ہیں۔ لیکن رومی کی رہنمائی میں جو عشق علامہ اقبال کو ایرانی روحانیت سے ہے وہ کسی بھی ایرانی معاصر شاعر اور مفکر کو بھی نصیب نہیں ہوا ہو گا۔ اگرچہ آپ ظاہری اعتبار سے تو لاہور میں محو خواب ہیں مگر آپ کا مزار ان اہل دل کے سینوں میں ہے جو آپ کے سات فارسی شعری مجموعوں کے مطالعہ سے ان کی ابدی فکری اور ادبی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ آپ کے ہاں مضمون کی باریکی' معلومات کی وسعت و فراوانی اور بلند حقائق کا ادراک موجود ہے جن کی روشنی میں آپ عصر حاضر کے دگرگوں حالات کے متعلق اپنی اجتماعی اور فلسفیانہ معلومات کو فارسی کے قدیم اور روایتی اسلوب اور روایتی کے ذریعہ ہند و ایران کے اہل درد قارئین تک ایک دلکش پیرائے میں پہنچاتے رہے ہیں۔ میں (محیط طباطبائی) گزشتہ بیس برس سے علامہ کے کلام کا مطالعہ کرتا رہا ہوں اور میں نے مقدور بھر یہ کوشش کی ہے کہ میری تحریروں کے ذریعے ایران کے لوگ آپ کے کلام کو سمجھیں اور آپ کی عظمت کا اعتراف کریں۔ اب سے پانچ برس پہلے تک ایرانی لوگ علامہ اقبال کی بات تک بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے مگر تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی اور سماجی حالات کے تناظر میں لوگوں نے بالآخر آہستہ آہستہ آپ

کے افکار اور نظریات کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب ملت ایران نے بھی علامہ اقبال کی عظمت کا اعتراف کر کے ہندوستان کے مسلمانوں پر ثابت کر دیا ہے کہ مشترک تہذیب و ثقافت پر مبنی ہماری قدیم دوستی لازوال ہے اور اسے استعماری قوتوں کی سازشوں کا شکار نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

جناب محیط طباطبائی کے خیالات کے اس خلاصہ سے ایران میں اقبال شناسی کے اولین دور تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔

جناب استاد سعید نفیسی مرحوم

آپ بیسویں صدی کے ایران کے عظیم علماء و فضلاء سے تھے۔ آپ کو عربی فارسی اور فرانسیسی کے علاوہ روسی زبان پر مکمل عبور تھا۔ آپ نے ۱۳۰ (ایک سو تیس) کے لگ بھگ کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے پروفیسر اقبال کے توسط سے آپ کو مثنوی اسرار خودی اور رموز بے خودی کے علاوہ زبور عجم کا شعری مجموعہ بھی بھجوایا تھا۔ اس کے بعد جناب پروفیسر نفیسی کی درخواست پر پیام مشرق کی بھی ایک جلد ارسال فرمائی تھی۔ آپ نے علامہ کی شاعری اور افکار سے متاثر ہو کر آپ کی خدمت میں ایک جذباتی خط بھی ارسال کیا تھا۔ علامہ اقبال نے آپ کو ۲۶/ اگست ۱۹۳۲ء کی تاریخ میں ایک خط لکھا تھا جس میں علامہ اقبال نے تحریر فرمایا کہ "میرے دل میں سالہا سال سے آپ کے ایران کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ میری فارسی شاعری ہے اور میرے لئے یہ ایک گونہ سعادت اور فخر کی بات ہے کہ آپ جیسے نامور عالم اور محقق نے اسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔" اس خط کے ہمراہ پیام مشرق کی بھی ایک جلد بھجوائی گئی تھی جس پر سعید نفیسی مرحوم نے شکریئے کا ایک اور خط تحریر فرمایا۔ اس کے جواب میں ہمیں علامہ اقبال کا نفیسی کے نام دوسرا خط ملتا ہے جس پر ۴/ نومبر ۱۹۳۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ "جس طرح ایران کے ادباء اور فضلاء کو مجھ سے ملاقات کی آرزو ہے اسی طرح نیاز مند بھی ان سے ملنے اور ایران کو دیکھنے کا آرزومند ہے، لیکن ممکن ہے کہ میری کمزوری اور علالت اس راہ میں رکاوٹ پیدا کر

دے۔ کچھ عرصہ بعد مجھے افغانستان کا سفر درپیش ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ کسی نہ کسی دن اپنی آنکھوں سے سرزمین ایران کو دیکھوں اور میری خدا سے دعا ہے کہ آپ جیسے شفیق اور مہربان دوست سے بھی ملاقات ہو سکے۔" جناب نفیسی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں کہ "علامہ اقبال کو مشرق کے بہترین مستقبل پر بہت اعتماد ہے۔ آپ کے خیال میں مغرب کی برتری اور غلبے کا دور اپنے منطقی اختتام تک پہنچنے والا ہے اور اس کے بعد مشرق کے عروج اور اقتدار کی باری ہے۔"

ابتدائی دور میں علامہ اقبال پر ایران میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی کی اہم کتاب "روی عصر" کا مقدمہ بھی جناب نفیسی نے ہی تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے علامہ اقبال کو برصغیر اور ایران کی نو سو سالہ فارسی شاعری کی عظیم روایات کا وارث قرار دیا اور آپ کی تصانیف کو برہان قاطع اور قاطع برہان قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ علامہ کا تصوف جدید معارف اور فلسفہ کے علاوہ مشرق و مغرب کے جدید علوم سے بہرہ اندوز ہے۔ آپ جس قدر سنائیؒ اور رومیؒ کے افکار سے باخبر ہیں اسی طرح ہیگل، کانٹ، شوپنہاور، نٹشے، گوتم بدھ اور کنفیوشس کے افکار سے بھی آگاہ ہیں۔ مزید برآں جس طرح پہلے بزرگوں نے مثنوئ مولانا رومؒ کو قرآن پہلوی کا نام دیا ہے اسی طرح معاصر دانشور اقبال کی مثنوی کو مثنوئ قرنِ حاضر سمجھ سکتے ہیں۔ آپ شاعری کے ایک نئے اسلوب کے بانی اور مجدد ہیں اور آپ کا نام تواریخ ادبیات میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ علاوہ بریں گزشتہ سات سو برسوں میں مختلف شاعروں نے مولانا رومؒ کے تتبع میں کئی مثنویاں لکھی ہیں مگر جس انداز سے اقبال نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آسکا۔ آپ نے کمزور اقوام کو غیروں کے نوآبادیاتی تسلط سے نجات حاصل کرنے اور اپنے گم شدہ مقام کے حصول کے لئے جوش دلایا ہے۔ آپ کا جاندار انقلابی پیغام مسلمانانِ عالم کے لئے ایک صحیفے یا وصیت نامے کی حیثیت کا حامل ہے۔

جناب استاد نفیسی ۱۹۵۶ء میں اقبال اکادمی کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور ۲۶/ فروری ۱۹۵۶ء کو کراچی میں دیئے گئے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ اب اہل ایران اقبال کو رومیؒ اور حافظؒ کا ہم پلہ شاعر قرار دیتے ہیں۔ سات سو برس کے بعد قونیہ میں بسنے

والے رومیؒ کے افکار کا مظہر اس بار سیالکوٹ میں اقبال کی صورت میں رونما ہوا ہے اور ایسے افراد ہزار برس کی تاریخ میں بہت ہی کم تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ معاصر ایرانی دانشوروں کی نظر میں آپ کا وہی مقام ہے جو قدیم یونان میں افلاطون کا اور عالم اسلام میں ابن سینا اور رومی کا تھا۔ عظیم شعراء کے ہاں دستور رہا ہے کہ وہ معنی کو لفاظی اور موسیقیت پر قربان کر دیتے ہیں، لیکن اقبال کی توجہ ہمیشہ بلند و لطیف اور دقیق معانی کی طرف مبذول رہی ہے۔ آپ سنائی، عطار، مولانا روم اور عراقی کی عظیم صوفیانہ روایات کے خاتم ہیں اور آپ نے تمام تشنہ مطالب کی تکمیل فرماتے ہوئے لکھا ؎

ذرہ ام مہر منیر آنِ من است صد سحر اندر گریبانِ من است

(میں ایک ذرہ ہوں مگر چمکتا ہوا سورج میری ملکیت ہے اور میرے گریبان میں سینکڑوں صبحیں اپنے نمودار ہونے کی منتظر ہیں۔)

خاکِ من روشن تر از جامِ جم است محرم نازا دہاے عالم است

(میری مٹی جامِ جمشید سے بھی زیادہ روشن اور شفاف ہے اور دنیا کے ان ہنگاموں کی بھی رازدان ہے جنہوں نے ابھی جنم لینا ہے۔)

۲۱/اپریل ۱۹۵۶ء کو کراچی میں ایک تقریب میں خطبہ صدارت کے دوران آپ نے فرمایا کہ زرتشتیوں کی مشہور مذہبی منظوم کتاب "ارتای ویراف برنامک" میں روح عالمِ سفلی سے اپنے سفر کا آغاز کر کے بتدریج بلندیوں سے ہوتی ہوئی اپنے عروج تک جا پہنچتی ہے۔ ایرانی صوفیاء نے اسے اپنانے کے بعد فلسفۂ ارتقاء یا معراجِ روح کا نام دیا ہے جس میں روح بالآخر ذاتِ خداوندی میں مدغم ہو جاتی ہے۔ عطار اسی تصور کو اپنی "مثنویٔ منطق الطیر" میں بیان فرماتے ہیں۔ پندرہویں صدی عیسوی کے فارسی شاعر فضولی بغدادی نے اس تصور کو اپنی کتاب "مسافرتِ روح" میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح مشہور عرب نابینا مفکر ابو العلاء معریٰ نے اپنی تصنیف "الغفران" میں اس پر مضمون آفرینی کی ہے۔ یورپ میں جرمن شاعر دانتے نے اپنی کتاب "طربیہ آسمانی" (Divine Comedy) میں انسانی معراج کے بیان کا اعلیٰ ترین نمونہ لطیف ترین معانی میں بیان کیا ہے۔

علامہ اقبال کا جاوید نامہ اسی موضوع پر تحریر شدہ ایک عظیم شاہکار ہے جس میں آپ اپنے عالم بالا کے تصوراتی سفر کے دوران زرتشت، پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ مولانا رومؒ، عارفِ ہندی، جہان دوست، سید جمال الدین افغانی، سعید حلیم پاشا، مہدی سوڈانی، حسین بن حلاج (منصور)، طاہرہ قرۃ العین، شاہ ہمدان، غنی کاشمیری، محمود غزنوی، ٹیپو سلطان، نادر شاہ افشار اور احمد شاہ درانی (ابدالی) اور حتیٰ کہ قدیم دیومالائی تصورات کے دیوتاؤں سے بھی ملتے ہیں۔ اس دوران آپ پیچیدہ، دقیق اور لطیف فلسفیانہ اور عارفانہ نکات کے علاوہ عصر حاضر کے سیاسی اور سماجی مسائل کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ اس طرح جاوید نامہ ہمیں تصوف کی آخری کتاب کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔

آپ کے کلام کے بغور مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے مثنوی مولانا روم، شیخ محمود شبستری کی گلشن راز، آثارِ سید علی ہمدانی، دیوانِ عراقی اور دیوان حافظ کا دقیق مطالعہ کیا ہے۔ آپ نے روایتی تصوف سے جمود کو ختم کر کے اس میں تحرک اجتماعیت اور انقلاب کے مفاہیم کو شامل کیا ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کا وجود بھی بہت حد تک آپ کے فکر کے مرہون منت ہے۔ آپ کے پیغام کے مخاطب مسلمانان مشرق ہیں۔ آپ نے پہلے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ گراں سے بیدار کیا، پھر اہل ایران کے دلوں میں ایمان و ایقان کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔ سیالکوٹ اور لاہور کے سفر کے دوران مجھے ان مقامات پر کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا جن کے ماحول میں علامہ اقبال کی زندگی بسر ہوئی تھی۔ اس تجربے نے مجھ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔

اسی طرح جناب محمد ایوب کے فارسی دیوان "نوائے فردا" کے متعلق اظہارِ خیال فرماتے ہوئے موصوف کے نام خط میں پروفیسر نفیسی نے علامہ اقبال کو مسیحا نفس اور مسیحادم قرار دیا اور کہا کہ آج برصغیر اور ایران کے متعدد شعراء اور مفکرین نے علامہ اقبال کی پیروی میں اظہار خیال کرنا اور شعر کہنا شروع کر دیا ہے۔ اقبال نے مشرقی فلسفہ کی جو نئی بنیاد رکھی ہے اس کے پیروؤں اور مداحوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے یہ تاریخی قطعہ بھی کہا ؎

بخاکِ پاکِ تو آمد غبارے از ایران کشای چشم و سر از خاکِ یک زمان بردار
(آپ کی پاک سرزمین پر ایران سے مٹی کا ناچیز سا پتلا آیا ہے۔ اے کاش کہ آپ اپنی آنکھ کھول سکتے اور ایک لمحہ بھر کیلئے اپنی قبر کی مٹی سے سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتے۔)

زخاکِ سعدی و فردوسی آمدم برخیز پیامِ حافظ آوردہ ام بشو بیدار
(میں شیخ سعدی شیرازیؒ اور ابوالقاسم فردوسیؒ طوسی کی سرزمین سے آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حافظ شیرازیؒ کا پیغام بھی لایا ہوں۔ اے کاش آپ اٹھ کے دیکھ سکتے اور نیند سے بیدار ہو سکتے۔)

بدستِ من گلے ز بوستانِ مولانا ست بپائے خیز کہ تا بر سرت کنیم نثار
(میرے ہاتھ میں مولانا جلال الدین رومیؒ کے باغ سے حاصل کردہ پھول ہے۔ اے کاش آپ اپنے قدموں پہ کھڑے ہو سکتے تو میں یہ آپ کی نذر کر سکتا۔)

ہزار بار مرا آرزوے دیدن بود چہ می شود کہ بینم جمالِ تو یکبار
(ہزاروں مرتبہ میرے دل میں آپ کے دیدار کی آرزو پیدا ہوئی تھی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ایک بار آپ کا روشن چہرہ دیکھ سکتا۔)

برصغیر کے مسلمان سپاہی' ایران میں

گزشتہ صفحات میں مرزا کوچک کے جنگل کے انقلاب کا ذکر آچکا ہے۔ ان کی سرکوبی کے لئے جب برطانوی افواج کو رضا خان کی حمایت میں گیلان کے جنگلات میں بھجوایا گیا تو ان میں شامل لاتعداد مسلمان فوجی بھی تھے جن کا تعلق برصغیر سے تھا اور وہ مسلمان تھے' انہوں نے مرزا کوچک کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور فارسی سمجھنے کی وجہ سے سادہ مزاج انقلابی مسلمانوں سے متاثر ہو کر انہوں نے بھاگ کر مرزا کوچک کے ہمراہ مغربی استعمار کے خلاف جنگ لڑنا شروع کر دی۔ یہ لوگ بعد میں گرفتار ہوئے اور انہیں بغداد لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اس طرح ایرانی اسلامی احیاء کی تحریک میں ہمارا خون بھی شامل ہو گیا۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادی افواج جب ایران بھجوائی گئیں تو ان میں برطانوی افواج میں شامل برصغیر کے ایسے مسلمان فوجی بھی تھے جنہیں فارسی ادب سے کچھ نہ کچھ حد تک شغف تھا۔ ان میں جناب کرنل خواجہ رشید جیسے عظیم محقق اور فارسی کے اسکالر

اور کرنل حسنین بخاری جیسے فارسی کے شیدائی حضرات کو راقم الحروف ذاتی طور پر جانتا ہے۔ کرنل بخاری تو چند ماہ قبل تک زندہ تھے۔ آپ بتاتے ہیں کہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں آپ کی تعلیم کے دوران علامہ اقبال اکثر وہاں پر تشریف لایا کرتے تھے۔ موصوف دوسری جنگ عظیم کے دوران قصر شیرین کے مقام پر برطانوی ہسپتال کے سربراہ تھے (ان دونوں کرنل صاحبان کا تعلق میڈیکل کور سے تھا)۔ اپنی ایک اور تصنیف "اقبال عرفانی" میں ڈاکٹر عرفانی نے کرنل بخاری کے فارسی شعروادب سے ذوق کا ذکر بھی کیا ہے اور کرنل خواجہ رشید تو کئی کتب کے مصنف بھی تھے۔ یہ لوگ ایرانی ادب سے دلچسپی کے باعث اپنے قیام کے دوران ایران سے قریبی روابط کے حق میں تھے۔ مزید برآں سیاسی اور تجارتی مفادات کے مدنظر برطانوی حکومت نے بھی ایران اور ہندوستان کے مابین ثقافتی تعلقات کی تجدید کرنا چاہی۔ اسی مقصد سے ۱۹۴۳ء میں "انجمن فرہنگی ایران وہند" کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کی روح رواں یہ لوگ تھے۔ ان لوگوں کی کوششوں سے ایران میں فارسی شعروادب کی نشستیں ہوتی رہیں اور علامہ اقبال ایران میں مزید متعارف ہوئے۔

ایرانی اسکالرز برصغیر میں

اسی دوران ایران کے شعراء اور ادیبوں کے دل میں برصغیر کو دیکھنے اور وہاں کے زعماء سے روابط کی تجدید کی تڑپ پیدا ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں ایران سے ایک ثقافتی وفد نے برصغیر کا مفصل دورہ کیا۔ اس میں ماقبل اسلام کے ایرانی ادب (اوستائی ادب) کے مشہور پروفیسر جناب پورِ داؤد بھی شامل تھے جنہیں بعد از اسلام کے شعروادب پر کوئی دسترس حاصل نہیں تھی۔ دہلی یا علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ سے کسی صحافی نے علامہ اقبال کی شاعری کی بابت پوچھ لیا تو وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے کی بجائے کہنے لگے کہ اقبال ایک مقامی اور محدود علاقے کا شاعر ہے اور انہیں ایران میں کوئی نہیں جانتا۔ برصغیر میں قارئین کو تو دکھ پہنچا ہی ہوگا' مجلّہ محیط (تہران) نے ۱۹۴۴ء میں اس واقعہ پر سخت تنقید کرتے ہوئے شدید رنج وغم کا اظہار کیا۔ دیگر جرائد اور ایرانی عوام میں بھی غم

(باقی صفحہ ۷۳ پر)

تعارف کتب

اسرار احمد

① سایۂ مصطفیٰ ﷺ تالیف قاضی عبدالدّائم دائم

② جی پی فنڈ پر زکوٰۃ' سود اور حج کی توضیح کے ضمن میں

"التّحقیق الصّحیح" تالیف قاضی محمّد صدر الدّینؒ

محترم قاضی عبدالدائم دائم مدظلہ' ایک متبحر عالم اور خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ' ہری پور ہزارہ کے مسند نشین ہونے کے ساتھ ایک جانب نہایت وسیع الظرف اور حد درجہ کھلے ذہن و قلب کے مالک بزرگ ہیں' اور دوسری جانب ذوقِ تحقیق و تفتیش سے بدرجۂ اتم سرشار "طالب علم" ہیں۔

آپ نے چند سال قبل جب ایک روز بغیر کسی پیشگی اطلاع کے اچانک نہایت بے تکلفی کے ساتھ قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن' لاہور میں وارد ہو کر راقم الحروف کو شرفِ ملاقات عطا فرمایا تو چونکہ راقم ان کے مرتبہ و مقام سے واقف تو کجا' شخصاً متعارف بھی نہ تھا' لہٰذا آنجناب کا کماحقہ' خیر مقدم اور اعزاز و اکرام نہ ہو سکا۔ جس کا بعد میں شدید قلق بھی رہا اور دل ہی دل میں شرمندگی بھی محسوس ہوتی رہی۔

بعد میں اس شرمندگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب' کچھ عرصہ قبل' ایک نوجوان نے' جن کا تعلق ویسے تو صوبہ سرحد ہی سے ہے لیکن وہ عرصۂ دراز سے متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں' ماہ رمضان المبارک کے آغاز سے ایک دن قبل آ کر بتایا کہ ـــــ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں نے تو قاضی عبدالدائم مدظلہ' کو لکھا تھا کہ رمضان المبارک کے دوران آپ کے پاس مقیم رہ کر کچھ فہم قرآن کے ضمن میں کسب فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں' لیکن قاضی صاحب نے ہدایت فرمائی کہ اگر فہم قرآن کے حصول کی طلب صادق ہے تو جا کر ڈاکٹر اسرار احمد کے دورۂ ترجمہ قرآن میں شمولیت اختیار کرو! ـــــ اللہ اکبر! علماء کرام کے حلقے میں یہ وسعتِ ظرف اور اپنے سے کہیں کمتر

لوگوں کی کسی خدمت یا صلاحیت کا اعتراف یا تو بہ تمام و کمال نظر آیا تھا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ میں' یا اپنے محدود علم کی حد تک اتنی آب و تاب کے ساتھ نظر آیا حضرت قاضی صاحب کی شخصیت میں!

قاضی صاحب مدظلہ' کا پہلا رسالہ بھی "سایۂ مصطفیٰ ﷺ" کے موضوع پر موصول ہوا تھا۔ عنوان کو دیکھ کر تو واقعہ یہ ہے کہ کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی اور گمان یہی تھا کہ خوش عقیدگی کا ایک اور مظہر' اور روایتی اور عوامی سطح پر عشقِ رسولؐ اور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر میں غلو کی ایک مثال ہو گی ــــــ لیکن پہلے ہی صفحے پر نظر ڈالنے سے معاملہ بالکل برعکس پایا ــــــ اور شدید حیرت ہوئی کہ خود خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ کے مسند نشین' اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے معتقد اور حلقہ بگوش ہونے کے باوجود قاضی صاحب مدظلہ' نے اپنے ذوقِ تحقیق کی بنا پر بہ کمال ادب و احترام حضرت مجددالفِ ثانیؒ سے بھی اختلاف کی جرأت کی ہے اور اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی رائے پر بھی محاکمہ کی جسارت کی ہے۔ اور حتمی فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ خیال کہ آپؐ کا سایہ نہ تھا محض خوش عقیدگی ہے' جس کے لئے کوئی اصل نہ عقل میں ہے نہ نقل میں!

اس موضوع پر حضرت قاضی صاحب نے نقل و عقل کی اساس پر جو مدلل گفتگو کی ہے راقم الحروف کا یہ مرتبہ و مقام نہیں ہے کہ اس پر تنقید یا تبصرہ کرے۔ البتہ قارئین "میثاق" کی دلچسپی' اور اصل کتاب کے مطالعے کا شوق پیدا کرنے کے لئے ذیل میں حضرت قاضی صاحب کا وہ مکتوب درج کیا جا رہا ہے جو ذہن میں اس مسئلے پر اشکالات و سوالات پیدا ہونے پر آپ نے بہت سے علماء کرام کے نام استفسار اً ارسال کیا اور جس سے آپ کے تحقیقی اور "طالب علمانہ" مزاج کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ــــــ اور جو اس رسالے کے آغاز میں درج ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا :

علمائے اہلِ سُنّت کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ سے ایک استفسار

مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

میں سیرت النبی ﷺ پر "سیّدالوریٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہا ہوں'

جس کی پہلی جلد ان شاء اللہ عنقریب جنگ پبلشرز کے زیر اہتمام چھپ جائے گی۔
آج کل "سیّدالوریٰ" کی دوسری جلد پر کام کر رہا ہوں اور شمائل نبویہ کی تحقیق میں مصروف ہوں۔ اس سلسلہ میں سرور عالم ﷺ کے سایہ نہ ہونے میں چند الجھنیں واقع ہو گئی ہیں' جو میری کم علمی کی وجہ سے حل نہیں ہو پا رہی ہیں۔ اگر آپ رہنمائی فرمادیں تو یہ عاجز از حد ممنون ہو گا' اور دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہو گا۔

محترم! اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ سایہ نہ ہونے پر علماء کرام کی عظیم اکثریت متفق ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس بارے میں کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں پائی جاتی۔ آپؐ کی ولادت باسعادت کے وقت متعدد معجزات ظاہر ہوئے جن کا کتب سیرت و تاریخ میں مفصل تذکرہ موجود ہے' مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ نومولود کا سایہ نہیں تھا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے دوران جو معجزات ظہور پذیر ہوئے' ان میں بھی سایہ نہ ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ سفر شام سے واپسی پر آپؐ کے ہم سفر نے جو معجزات بیان کئے' ان میں یہ تو مذکور ہے کہ آپ پر بادل سایہ کئے رہتے تھے' اور ایک درخت آپؐ پر سایہ کرنے کے لئے جھک پڑا تھا' مگر یہ کسی نے نہیں بتایا کہ آپؐ کا اپنا سایہ نہیں تھا۔ حالانکہ ایسے محیرالعقول معجزے کا پورے عرب میں شور مچ جانا چاہئے تھا' اور سب سے زیادہ صحیح روایات اس بارے میں پائی جانی چاہئے تھیں' مگر حیرت ہے کہ زیادہ تو کجا ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

چلئے! اس کا تو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ عدم ذکر' عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے اور فضائل و مناقب میں ضعیف روایات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے۔ اس لئے علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کا یہ کہنا کہ سایہ نہ ہونے کی روایات محض بے اصل ہیں اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ دعویٰ کہ "بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی' سایہ نداشتند" (امداد السلوک) دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ نہ تو عدمِ ظل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور نہ ہی محض بے اصل ہے۔ کما حققه الامام احمد رضا فی رسائله المتعلقة بنفی الفیئی بما لا مزید علیه۔ یہ صورتحال تو نقل اور روایت کے لحاظ سے ہے' لیکن میری الجھنیں عقلی

ہیں جن کا جواب مطلوب ہے۔

گرامی قدر! یہ تو مسلّم ہے کہ سرکارِ دوجہاں ﷺ کا بدن مبارک کائنات میں سب سے زیادہ لطیف تھا اور جو علماء کرام سایہ نہ ہونے کے قائل ہیں، وہ زیادہ زور اسی نکتے پر دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کی تیسری جلد کے مکتوب نمبر ۱۰۰ میں ارشاد فرماتے ہیں :

"وأو را صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نبود"۔

اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ :

"در عالم شہادت، سایہ ہر شخص، از شخص لطیف تر است، وچوں لطیف تر از وے ﷺ چیزے نباشد، او را سایہ چہ صورت دارد"۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ نفی ظل میں اس لطافت سے متعدد جگہ استدلال کیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ لطافت سے مراد کیا ہے؟ کیونکہ لطافت کی تو کئی صورتیں ہوتی ہیں :

① چیز جو غیر مرئی ہو، یعنی دکھائی نہ دے، جیسے ہوا کی لطافت۔

② دکھائی تو دے، مگر ٹھوس وجود نہ رکھتی ہو، جیسے شمع کی لو کی لطافت

③ ٹھوس وجود رکھتی ہو مگر شفاف ہو، یعنی اس کے آر پار دیکھا جا سکتا ہو، جیسے شیشے کی لطافت۔

④ آر پار نہ دیکھا جا سکتا ہو، مگر اس کا وجود بے حد نرم و نازک ہو، جیسے پھول کی کلیوں کی لطافت۔

لطافت کی پہلی دو صورتیں بدن نبوی میں بداہۃً ناممکن ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا جسم انور نہ صرف دکھائی دیتا تھا، بلکہ ٹھوس وجود رکھتا تھا، جس سے لوگ مصافحہ کرتے تھے، معانقے کرتے تھے، لپٹتے تھے اور چومتے تھے۔

تیسری صورت بھی محال ہے کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ آپ کے اندرونی اعضاء مبارک معاذ اللہ نظر آنے لگیں یعنی دل اور جگر وغیرہ۔ مثلاً ــــ بلا تشبیہہ و تمثیل ــــ ایک گھڑی ہو، جس کا کیس شیشے کا ہو اور پرزے بھی شیشے کے ہوں، تو اس کا کیس اور پرزے سب کو نظر آئیں گے۔

ہاں، چوتھی صورت بلاشک و شبہ آپ کے لئے ثابت ہے کیونکہ آپ کا بدن اقدس برگِ گل سے زیادہ نازک اور حریر و پرنیاں سے زیادہ ملائم تھا، لیکن

اس معنی میں لطافت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؐ کا سایہ نہ ہو۔ کیونکہ پھول کی کلیاں اور ریشم کے لچھے نزاکت اور ملائمت کے باوجود سایہ دار ہیں۔

اگر کہا جائے کہ آپؐ کے جسم معطر سے جو انوار پھوٹتے تھے' ان کی وجہ سے آپؐ کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا' تو اس صورت میں سوال یہ ہے کہ آپؐ جو لباس زیب تن فرماتے تھے' وہ شفاف ہو جاتا تھا' یا غیر شفاف رہتا تھا؟ اگر شفاف ہو جاتا تھا' تو پھر ساتر کیسے بنتا تھا؟ اور اگر غیر شفاف رہتا تھا' تو پھر بدن کا جو حصہ اس سے مستور ہو جاتا تھا' اس کا سایہ نظر آنا چاہئے۔ حدیث پاک میں آپؐ کا ایک وصف "نور المتجرد" بھی آیا ہے' جس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے نفی الفیئ میں یہ کیا ہے :

"کپڑوں سے باہر جو حصۂ جسم تھا' یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ' نہایت روشن و تابندہ تھا"۔ (مجموعہ رسائل مسئلہ نور و سایہ ص ۶۴)

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بدن اطہر کا جو حصہ کپڑوں کے اندر تھا' وہ اس طرح روشن و تابندہ دکھائی نہیں دیتا تھا' کیونکہ اس پر لباس کا پردہ پڑ جاتا تھا' تو جب لباس بدنِ اقدس کے انوار کے لئے حجاب بن جاتا تھا' تو شمس و قمر کے انوار کے لئے بھی لازماً حجاب بننا چاہئے' کیونکہ سورج چاند کی تابانیاں نور نبویؐ کی تابانیوں سے بہرحال کم ہیں' لیکن اس صورت میں آپؐ کے سائے کی عجیب ہیئت بن جائے گی۔ یعنی کپڑوں کے باہر جو حصۂ جسم ہے' چہرہ گردن اور ہاتھ وغیرہ' اس کا سایہ تو نظر نہیں آئے گا' لیکن ملبوس حصے کا سایہ لباس کی وجہ سے دکھائی دے گا' کیا اس طرح معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' آپؐ کا سایہ ایک تماشا سا نہیں بن جائے گا؟

امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہِ علم و معرفت میں ہماری جبین نیاز ہر دم خم رہتی ہے' مگر ہماری کوتاہ فہمی کی انتہا ہے کہ ہم ان کا یہ استدلال بالکل نہیں سمجھ پائے' کہ عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اُس شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور سرورِ کونین ﷺ سے لطیف تر کوئی چیز نہیں' اس لئے آپؐ کا سایہ نہیں ہو سکتا۔

نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کا استدلال کرتے ہوئے اگر کوئی کہے کہ

ہر شخص کے آنسو اُس شخص سے لطیف تر ہوتے ہیں' کیونکہ مائع اور شفاف ہوتے ہیں' اور رسول اللہ ﷺ سے لطیف تر کوئی چیز نہیں ہو سکتی' اس لئے آپؐ کے آنسو بھی نہیں ہو سکتے' تو کیا یہ استدلال صحیح ہو گا؟ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟

علامہ ابن سبعؒ وغیرہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ نور تھے' اس لئے آپ کا سایہ نہیں تھا' کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ! نور میں تو خون بھی نہیں ہوتا' کیا رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے خون کی بھی نفی کی جائے گی ـــــ؟ اگر آپؐ کے جسم میں خون کا رواں ہونا آپؐ کے نور ہونے کے معارض نہیں ہے' تو آپؐ کا سایہ ہونا' آپؐ کی نورانیت کے کیونکر منافی ہو سکتا ہے ـــــ؟

سایہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپؐ کے سائے پر کسی کا پاؤں نہ پڑے لیکن پاؤں تو سائے پر پڑتا ہی نہیں۔ بے شک تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ پاؤں پر سایہ پڑے گا' نہ کہ سائے پر پاؤں۔ سایہ تو پاؤں کے نیچے کسی صورت میں آ ہی نہیں سکتا۔

غرضیکہ یہ ہیں وہ الجھنیں جو اس فقیر کو اس سلسلہ میں درپیش ہیں۔ مقصد مجادلہ و مکابرہ نہیں' بلکہ حقیقت تک رسائی ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی اسی جذبے سے تشفی بخش عقلی جوابات عنایت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

واضح رہے کہ ان تمام سوالات کے جواب میں یہ کہہ دینا کہ جی! یہ تو معجزہ ہے' اور معجزہ تو نام ہی اس چیز کا ہے جو خلافِ عقل و خارقِ عادت ہو' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے' تو یہ درحقیقت جواب نہیں' بلکہ جان چھڑانے کا ایک بہانہ ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ "صلات الصفا" میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

"اقول خرق العوائد لا کلام فیه' والقدرة متسعة' ولکن وجود الصفة بدون الموصوف ممالا یعقل....

(مجموعہ رسائل نور و سایہ ص ۳۲)

یہ عاجز بھی یہی عرض گزار ہے کہ خرق عادت میں تو کوئی کلام نہیں' اور خدا کی قدرت بہت وسیع ہے' لیکن جس طرح صفت کا وجود بغیر موصوف کے

سمجھ نہیں آسکتا اسی طرح غیر شفاف کا وجود بغیر سائے کے ہونا بھی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ سایہ نہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں' ایک تو یہ کہ غیر شفاف وجود اتنا دور ہو جائے کہ اس کا سایہ چھوٹا ہوتے ہوتے معدوم ہو جائے' جیسے انتہائی بلندیوں پر اڑنے والے پرندے اور طیارے وغیرہ۔ دوسری یہ کہ سورج کی کرنیں اس پر ایسے زاویئے سے پڑیں' کہ سایہ نظر نہ آتا ہو جیسا کہ جسم مثلث میں ہوتا ہے یا استوائی خطوں میں دوپہر کے وقت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدن نبوی ﷺ میں یہ دونوں صورتیں موجود نہیں ہیں۔ اس لئے آپؐ کا سایہ نہ ہونے کی امکانی صورت کیا ہوگی؟

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

والسلام

قاضی عبدالدائم دائم

مدیر ماہنامہ جام عرفاں' سجادہ نشیں خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ

مہتمم دارالعلوم ربانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ

فون : 0595/2959

(نوٹ : اس کتاب کے حصول کیلئے غالباً واحد جگہ حضرت قاضی صاحب کا مندرجہ بالا پتہ ہی ہے!)

---

(۲) دوسری کتاب جو ہمیں حال ہی میں موصول ہوئی ہے وہ "جی پی فنڈ پر زکوٰۃ' سود' اور حج کی توضیح" پر مشتمل "التحقیق الصحیح" ہے جو اصلاً تو تالیف ہے محترم قاضی عبدالدائم دائم صاحب کے والد بزرگوار "حضرت معظم قاضی محمد صدر الدرین رحمۃ اللہ علیہ" کی ـــــ البتہ اس کی ترتیب و تالیف حضرت قاضی عبد الدائم صاحب ہی نے کی ہے۔

اس مسئلہ سے راقم الحروف کی خصوصی دلچسپی اس سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ تنظیم اسلامی کے جملہ رفقاء اس سے واقف ہیں کہ آغاز کار ہی سے راقم اپنی اس رائے کا برملا اظہار کرتا رہا کہ پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ کیا جانے والا سود شرعی اعتبار سے "ربا" ہی ہے ـــــ اور لہٰذا حرام ہے ـــــ تاہم چونکہ اس موضوع پر مشہور و معلوم تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ برعکس ہے' لہٰذا راقم اپنے رفقاء سے کہتا رہا کہ میری

رائے تو یہی ہے کہ یہ سود ہی ہے' لیکن اگر کوئی رفیق تنظیم مولانا تھانویؒ کے فتویٰ پر عمل کرے تو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔

"زیر تعارف" ("زیر تبصرہ" نہیں!) کتاب سے راقم کو ایک جانب تو انشراح بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ ع "متفق گردید رائے بو علی با رائے من!" اس لئے کہ حضرت قاضی صدر الدینؒ کا حتمی فیصلہ یہی ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ پر جو اضافہ ہوتا ہے وہ سود یعنی ربا ہی ہے ـــــ اور دوسری جانب یہ بھی اندازہ ہوا کہ قاضی عبدالدائم صاحب کو ذوقِ تحقیق اپنے والد بزرگوارؒ سے وراثت میں ملا ہے۔ ("الوَلَدُ سِرٌّ لابیہ") ـــــ اور مزید خوشی اس سے ہوئی کہ حضرت قاضی محمد صدر الدینؒ نے ایک مخلص طالب حق' اور عالم حقانی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی حتمی رائے کے اظہار سے قبل دوسرے کبار علماء سے گفتگو اور تبادلۂ خیالات کو ضروری سمجھا' حتیٰ کہ اس کے لئے کراچی تک کا سفر بذریعہ ہوائی جہاز اختیار کیا! ـــــ جس کے نتیجے میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے اپنے سلسلے کے "مجدد" ہی نہیں بقول بعض "جامع المجددین" کی رائے سے دستبرداری اختیار کرلی۔ اگرچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ' جو اس سلسلے کے زیادہ براہ راست "وارث" تھے اپنے شیخؒ ہی کی رائے پر جازم رہے ـــــ بعد ازاں جب یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہوا' تو بحمد اللہ اس نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ پراویڈنٹ پر دیا جانے والا سود' ربا ہی کے حکم میں ہے! اور اس ضمن میں حضرت معظم قاضی محمد صدر الدین صاحب کے دلائل ہی کو مبنی و مدار بنایا!

راقم الحروف نہ کبھی اسلامی فقہ کا باضابطہ طالب علم رہا ہے' نہ ہی اصول فقہ سے اس کی واقفیت "اِلاَّ مواءً ظاھرًا" سے بڑھ کر ہے لہٰذا اس موضوع پر بھی اس کی جانب سے کسی تنقید یا تبصرے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کتاب کے تعارف کے لئے اس کا پیش لفظ محررہ قاضی عبدالدائم دائم مدظلہ درج ذیل ہے :

> "اس تحقیق کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت معظمؒ کے دامانِ عاطفت سے وابستہ بعض احباب نے آپ سے جی پی فنڈ سے متعلق سوال پوچھے۔ آپ نے اُس وقت تک جی پی فنڈ سے متعلقہ قوانین و ضوابط کا مطالعہ نہیں فرمایا تھا اور استفتاء کرنے والوں نے بھی وضاحت سے بیان نہیں کیا تھا۔ محض سرسری معلومات فراہم کی تھیں۔ اس لئے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جی پی فنڈ میں جو رقم جمع

ہوتی ہے وہ چونکہ ملازم کے قبضہ اور ملکیت میں آنے سے پہلے ہی اس کی رضامندی کے بغیر جبراً کاٹ لی جاتی ہے اس لئے اس پر جو رقم حکومت بطور سود ادا کرتی ہے' وہ سود نہیں ہے اور اس کا لینا جائز ہے۔ اسی طرح اس فنڈ میں جمع شدہ رقم پر نہ زکوٰۃ فرض ہے' نہ اس سے حج فرض ہوتا ہے۔

چنانچہ آپؒ گلزار خان صاحب کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"روپیہ (جی پی فنڈ کے حساب کا) جو گورنمنٹ تنخواہ سے بلا اختیار کاٹ کر اس پر سود دیتی ہے' یہ سود نہیں ہے۔ سود تب ہوگا جب روپیہ آپ کے قبضہ میں دے کر پھر آپ کی رضا سے عقد کر کے سود پر لیا جائے"۔

(مکتوبات صدر یہ' ج ۲' ص ۱۴۶)

اور حاجی گل حسن صاحب کے نام ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں :

"جی پی فنڈ کی جمع رقم پر نہ زکوٰۃ فرض ہے' نہ اس پر حج فرض ہے جب تک یہ رقم قبضہ میں نہ آجائے"۔ (مکتوبات صدر یہ' ج ۲' ص ۱۴۶)

حضرت معظمؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ کسی مسئلہ پر فتویٰ دینے کے بعد بھی اس پر مسلسل غور و فکر کرتے رہتے تھے اور اگر کسی مرحلہ پر بھی آپ پر انکشاف ہوتا کہ سابقہ تحقیق صحیح نہیں تھی' تو اس سے بلا تامل رجوع فرمالیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد محض انانیت' ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کسی غلط بات پر اصرار کرتے رہنا اور لَا نُسَلِّمُ کی رٹ لگائے رکھنا بہت بڑا جرم ہے۔

جی پی فنڈ کے سلسلہ میں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

آپ نے اپنے احباب کو مندرجہ بالا جوابات دینے کے بعد' حاجی گل حسن صاحب کو لکھا کہ جی پی فنڈ سے متعلقہ تمام قواعد و ضوابط ارسال کریں' تاکہ ان کو سامنے رکھ کر مکمل تحقیق کی جائے اور مفصل جواب لکھا جائے۔

جب حاجی صاحب نے جی پی فنڈ کے قوانین بھیجے اور آپ نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد فقہی تحقیق شروع کی' تو آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سابقہ رائے صحیح نہیں تھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ جی پی فنڈ پر جو رقم حکومت بطور سود دیتی ہے' وہ بلاشبہ سود ہے اور اس کا لینا حرام ہے۔

اسی طرح جی پی فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ بھی فرض ہے اور حج بھی۔

اسی دوران "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کراچی" کی طرف سے ایک رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ و سود کا مسئلہ" کے نام سے شائع ہوا اور اس میں وہی فتویٰ دیا گیا، جو حضرت معظمؒ کی پہلی رائے تھی یعنی نہ سود، نہ زکوٰۃ، نہ حج۔

حضرت معظمؒ نے اس رسالے کا مطالعہ فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ان علمائے کرام کو بھی صحیح صورتحال نہ سمجھنے کی وجہ سے فقہائے کرام کی چند عبارات سے غلط فہمی ہوئی ہے۔

آپ چونکہ طبعاً علماء کے اختلاف کو ناپسند فرماتے تھے اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" میں شامل دو بڑے علماء مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی جائے اور ان پر صحیح صورتحال واضح کی جائے۔ نیز جن عبارات سے ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، ان کی بھی وضاحت کر دی جائے تاکہ وہ خود ہی اپنی رائے سے رجوع کر لیں، اور اختلاف کی صورت پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپؒ مولانا محمد نعمان مرحوم (ساکن بیدڑہ ضلع مانسہرہ) کو ساتھ لے کر بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے۔

مولانا بنوریؒ آپ کے واضح دلائل کو دیکھ کر قائل ہو گئے کہ ان دلائل کی موجودگی میں ہمارا فتویٰ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ میں مجلس میں شامل علماء کے سامنے آپ کے دلائل پیش کر کے ان سے رجوع کرنے کی گزارش کروں گا۔

اسی طرح حضرت معظمؒ نے مفتی صاحب سے بھی بات کی، مگر آپؒ کے پاس چونکہ وسیع وقت نہیں تھا اس لئے مفتی صاحب سے تفصیلی گفتگو کے لئے محمد نعمان صاحب کو اپنے نمائندے کے طور پر وہاں چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔ مولانا محمد نعمان صاحب نے مفتی صاحب سے گفتگو کی اور حضرت معظمؒ کے دلائل ان کے سامنے پیش کئے، کئی دن تک گفتگو ہوتی رہی مگر مفتی صاحب مرحوم نے اپنے فتویٰ کی صحت پر اصرار کیا اور رجوع مناسب نہ سمجھا۔

مولانا بنوریؒ کے داماد مولانا محمد طاسینؒ ناظم مجلس علمی کراچی (جو معاشیات اسلام کے ایک مسلم فاضل ہیں) بھی حضرت معظم سے متفق تھے، انہوں نے بھی

بہت کوشش کی کہ علماء کرام اپنے اس فتویٰ سے رجوع کرلیں مگر مجلس میں شامل اکثر علماء نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور تصحیح گوارا نہ کی۔

حضرت معظم ؒ کی اس آخری تحقیق سے پہلے مکتوبات صدریہ کی جلد دوم چھپ چکی تھی اور اس میں وہ دو مکتوبات بھی شامل تھے' جو آپ ؒ کی پہلی رائے کے مطابق تھے اس لئے آپ ؒ نے ایک طرف تو اپنی تحقیق کی تلخیص کرکے احباب کو بھیج دی کہ اسے مکتوبات صدریہ کے ضمیمہ کے طور پر چھپوا کر ساتھ لگا دیا جائے' تاکہ پہلے دو مکاتیب کو پڑھنے والے احباب غلطی میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں اور دوسری طرف مجھے ارشاد فرمایا کہ تم ان تحقیقات کو قلمبند کردو۔ ارشاد عالی کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے ان تحقیقات کو مرتب کرکے جب آپ ؒ کی خدمت میں پیش کیا' تو آپ ؒ بہت مسرور ہوئے اور مجھے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ جزاہ اللہ عنی خیراً۔

اس دوران حضرت معظم ؒ کی مولانا محمد یوسف بنوری ؒ کے ساتھ خط و کتابت بھی جاری رہی' جس کی تفصیل پہلے ایڈیشن کی ابتدا میں مذکور ہے۔

۱۹۹۲ء میں پراویڈنٹ فنڈ پر سود کا مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہوا تو فاضل جج صاحبان نے طویل غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد حضرت معظم ؒ کے فتویٰ سے مکمل اتفاق کیا اور اپنے متفقہ فیصلے میں قرآن و سنت کی تصریحات کے ساتھ ساتھ حضرت معظم ؒ کی تحقیقات کو بھی بطور حوالہ پیش کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک!

اب جبکہ موجودہ حکومت نے قرآن و سنت کو سپریم لاء قرار دے کر اسلامی قوانین کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ اہل علم' خصوصاً قانون دان طبقے کو حضرت معظم ؒ کی اس غیر معمولی فاضلانہ کاوش سے آگاہ کرنے کے لئے حضرت معظم ؒ کے فتویٰ کے ساتھ شرعی عدالت کا فیصلہ بھی شائع کردیا جائے تاکہ قانون سے دلچسپی رکھنے کے والے محققین و فضلاء کے لئے رہنمائی کا کام دے اور اس مسئلے میں صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مددگار و معاون ثابت ہو۔

پہلے ایڈیشن میں اکثر عربی عبارات کا ترجمہ نہیں دیا گیا تھا' موجودہ ایڈیشن میں ان تمام عبارات کے ترجمے کا اضافہ کردیا گیا ہے تاکہ استفادے میں سہولت

قرآن اکیڈمی سرائے

رہے۔

علاوہ ازیں پہلے ایڈیشن میں مکتوبات صدریہ جلد دوم کا ضمیمہ اور حضرت معظم ؒ و مولانا بنوری کے دو خطوط بھی شامل تھے مگران کا چونکہ شرعی عدالت کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا۔

اس محققانہ اور عادلانہ فیصلے کے بعد حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ نہ صرف پراویڈنٹ فنڈ بلکہ تمام مالی معاملات کو اسلامی اصولوں کے عین مطابق سود کی لعنت سے پاک کرنے کا جلد از جلد اہتمام کرے اور ماہرین معاشیات فضلاء کے مشورے سے ایسی سکیمیں شروع کرے جن سے سرکاری ملازمین کی پس انداز کی گئی رقم پر انہیں منافع بھی ملتا رہے اور سود جیسی قبیح و غلیظ چیز سے ان کا دامن بھی آلودہ نہ ہو۔ واللّٰہ الموفق والھادی الی سواءِ الصِّراط

قاضی عبدالدائم دائم

(نوٹ : یہ کتاب "الفیصل " ناشران و تاجران کتب ' اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔ اور اس کا ہدیہ -/۶۵ روپے ہے!)

آخر میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مسئلہ میں بھی ' جس کا "مصالح مرسلہ " کے ساتھ گہرا تعلق ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ کی تحقیق اور اس پر مبنی رائے نے مصلحت عوام کا راستہ مسدود کر دیا ہے جس کے ضمن میں جیّد اور محقق علماء کو توجہ کرنی چاہئے!

یہ معاملہ پاکستان کی زرعی اراضی کا ہے ـــــ کہ آیا وہ عشری ہیں یا خراجی ؟ سلسلہ مجددیہ کے عظیم شیخ ' اور عظیم مفسر و محدث و فقیہ ' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا تو دو ٹوک فیصلہ تھا کہ پورے ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی اراضی عشری نہیں ہیں ' سب کی سب خراجی ہیں ' حتیٰ کہ فقہی مسائل کے موضوع پر اپنی اساسی تالیف "مَالاَ بُدَّ مِنْہُ " (جو تقریباً تمام مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے) میں آپؒ فرماتے ہیں کہ "چونکہ ہند میں کوئی اراضی عشری ہیں ہی نہیں ' لہٰذا میں یہاں عشر کے مسائل درج ہی نہیں کرتا!" ـــــ لیکن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ نے اپنی تالیف "اسلام کا نظام اراضی " میں یہ فیصلہ دیا کہ پاکستان کی اراضی عشری ہیں ـــــ اور چونکہ عشری زمین ملکیتی ہوتی ہے لہٰذا اس

سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کسی بھی زمیندار یا جاگیردار سے سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی رضامندی سے ہبہ یا فروخت کرے ایک انچ زمین بھی جبری طور پر نہیں لی جا سکتی ـــــ جس سے پاکستان میں زرعی اصلاحات کا دروازہ بند ہو گیا ہے' اور جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کو سند دوام حاصل ہو گئی ہے ـــــ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند ارجمند محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے جج کی حیثیت سے یہ فیصلہ باضابطہ صادر بھی فرما دیا ہے ـــــ اندریں حالات اس مسئلے پر بھی ایسے مجتہدانہ بصیرت کے حامل' اور تحقیق و احقاقِ حق کے جذبہ سے قاضی محمد صدر الدینؒ اور ان کے فرزند ارجمند قاضی عبدالدائم مدظلہ' کے مانند سرشار علماءِ حقانی کو توجہ دینی چاہئے ـــــ تاکہ اس موضوع پر بھی کوئی "التحقیق الصحیح" منظر عام پر آ جائے۔ (خاکسار اسرار احمد عفی عنہ)

بقیہ : فکر عجم

وغصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ایرانی وفد بعد میں لاہور بھی گیا اور اس نے مزارِ اقبال پر حاضری بھی دی اور ایرانیوں کی جانب سے معذرت بھی کی۔ اور جب یہ وفد ایران واپس پہنچا تو مجلہ محیط کے مطابق اس کے اراکین مدتوں اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے رہے۔

اہم اعلان

قرآن حکیم کے منتخب نصاب (مشتمل بر ۴۴ کیسٹ) کی دوبارہ مکمل' واضح اور ہائی فائی اسٹیریو ریکارڈنگ تیار کر لی گئی۔ یہ edited سیٹ مکتبہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو حضرات دوبارہ ریکارڈنگ کرانا چاہتے ہیں وہ بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 5869501-3

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

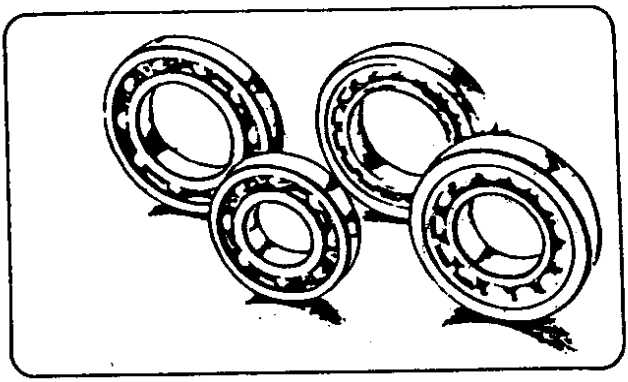

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

گوشہ خواتین

اسلام اور فیشن

—— نفیسہ رحمٰن ——

اسلام ایک مکمل دین ہے' یعنی زندگی گزارنے کا ایک مربوط اور واضح راستہ۔ یہ صرف اسلامی تعلیمات ہی کا اعجاز ہے جنہوں نے انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے پر مکمل روشنی ڈالی۔ چونکہ انسان فطرتاً حسن پرست ہے اور ہر خوبصورت شے اس کے لئے کشش رکھتی ہے اور اسی جذبے کے تحت انسان اپنی حسن و زیبائش پر بھی توجہ دیتا ہے لہٰذا اسی جذبے کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن و حدیث نے ان حدود کا واضح تعین کر دیا ہے جن کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کوئی بھی مسلمان اپنی حسن و زیبائش کا اہتمام کر سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اسلامی معاشرت کی بنیاد رکھی تو اسلامی تمدن کے تحت لباس و ثقافت کو بھی نیا ذوق عطا فرمایا۔ آپؐ کو جہاں اسلام کی سادگی کو برقرار رکھنا تھا وہاں ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)) کے مصداق رہبانیت کا خاتمہ بھی فرمانا تھا۔ اسی اصول کے تحت آپؐ نے سرخ دھاری [1] کا خوبصورت لباس بھی پہنا اور پیوند لگا لباس بھی زیب تن فرمایا۔ آپؐ دوسرے تمدنوں کے اچھے اجزاء کو قبول فرماتے تھے۔ آپؐ نے اہل فارس کا مخصوص پاجامہ خریدا [2] اور پہنا۔ لیکن ساتھ ہی آپؐ نے دوسری قوموں خصوصاً مذہبی طبقوں کے مخصوص فیشنوں کی تقلید اور نقالی کو ممنوع قرار دیا۔ [3] آپؐ نے مسواک' سرمہ' مہندی و خوشبو کا استعمال فرمایا۔ اس طرح آپؐ کی تعلیمات انسانی فطری جذبات کو دباتی نہیں بلکہ ان کو ایک معتدل راہ دکھاتی ہیں' جس کے تحت نہ صرف انسان کے فطری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں بلکہ انسان بے راہ روی کا شکار بھی نہیں ہوتا۔ آپؐ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی بھی خوش لباسی کو ناپسند نہیں فرمایا' جیسے کہ آپؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت (رزق) کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہو۔" [4]

نبی کریم ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی خوش پوشی کو بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میں نے مکہ بھر میں مصعب بن عمیرؓ سے بڑھ کر نعمتوں اور آسائشوں والا، حسین زلفوں والا اور عمدہ لباس والا نہیں دیکھا۔"(۵)

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا:

"اور اللہ اس شخص کی طرف قیامت کے دن (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا جو شیخی کے جذبہ سے اپنا تہبند زمین پر گھسیٹے گا۔"(۶)

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی تمدن کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا لباس تجویز کیا جس میں موسمی تحفظ، ستر پوشی، سادگی، نفاست اور وقار جیسے تمام لوازمات موجود ہوں۔ آپؐ نے مرد و خواتین کو اچھا لباس پہننے کی اجازت دی۔ آپؐ خود بھی کبھی کبھار بیش قیمت لباس زیب تن فرمالیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ایسے لباس و زیبائش جس سے تفاخر کا اظہار ہوتا ہو اور مقصود دوسروں کی توجہ حاصل کرنا ہو، سے سخت منع فرمایا۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، بشرطیکہ تمہارے اندر گھمنڈ اور اسراف نہ ہو۔"

اسی لئے آپ ﷺ نے مردوں کو بھڑکیلے اور ریشمی لباس پہننے سے منع فرمادیا(۷) اور خواتین کو خوبصورت لباس، زیبائش اور زیورات پہننے کی اجازت صرف اپنے شوہروں کے لئے دی۔ آپؐ نے عورتوں کو اس بات سے روکا کہ وہ بن ٹھن کر اپنا حسن غیروں کو دکھاتی پھریں، اور دوسری عورتوں کے سامنے اپنے زیورات اور لباس کی شیخی بگھارتی پھریں۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

"جنت میں مجھے عورتیں کم نظر آئیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان کو زیور اور رنگین کپڑوں نے مقید کیا ہوا ہے۔"(۸)

لباس کے معاملے میں عورتوں کے شوق کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے عورتوں کو باریک کپڑے کا لباس بنانے کی اجازت بھی دے دی لیکن استر لگا، کر اور ساتھ ہی حکم صادر فرمادیا کہ خواتین جب بھی گھر سے نکلیں تو چادریں اوڑھ کر اپنے حسن و زیبائش اور چہرے کو چھپالیں۔ اس طرح راہ چلتے مرد خواتین کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور معاشرہ بے راہ روی کا شکار نہیں ہوگا۔ اس طرح آپ ﷺ نے قرآنی آیت ﴿وَكَذٰلِكَ

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا... ﴾ (البقرۃ : ۱۴۳) "اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنادیا جو نہایت اعتدال پر ہے۔" کی روشنی میں ایک بہترین تمدن تشکیل فرمایا جس میں ظاہری خوبصورتی کے ساتھ ساتھ نفاست وصفائی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

لیکن آج اگر ہم اپنے ثقافت وتمدن کا موازنہ نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کے ساتھ کرتے ہیں تو کسی بھی طرح کی مماثلت نہیں پاتے۔ آج ہمارا معاشرہ فیشن کے عفریت کی گرفت میں آچکا ہے۔ فیشن کے نام پر ہم ہر غلط رسم کو اپنا رہے ہیں نتیجتاً ہمارا موجودہ مسلم معاشرہ یورپی فیشن زدہ معاشرے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ہمارے دل ودماغ میں یہ سوال اٹھتے ہیں کہ فیشن جو کہ ہمارے معاشرے کی جڑوں میں عمیق گہرائیوں تک اتر چکا ہے' کا مفہوم کیا ہے؟ اور کب سے مغربی فیشن نے اسلامی تمدن پر حاوی ہونا شروع کردیا۔

آکسفورڈ ڈکشنری فیشن کا ایک یہ مفہوم بھی بتاتی ہے کہ

Conventional usages of upper class[۹]

اور انسائیکلوپیڈیا میں فیشن کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

Style changes take place with a high degree of frequency in womens' clothing[۱۰]

دونوں مفہوم ہی انسانی فطرت کے منفی پہلوؤں یعنی انسان کی متلون مزاجی ونقالی کو ظاہر کرتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے سلسلہ بہ سلسلہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کا عکس کامل خلیفہ دوم کے دورِ حکومت تک تو نظر آتا ہے لیکن خلیفہ سوم کے عنان حکومت سنبھالتے ہی امراء کے بچوں نے رنگین زندگی اختیار کرلی[۱۱] اور اس کے بعد تاریخ بنو امیہ کے دورِ حکومت کی جو کہانی سناتی ہے اس کے مطابق بنو امیہ کی حکومت کا قیام محض ایک حکمران خاندان کی تبدیلی ہی نہیں تھا بلکہ اس دور میں ہونے والے عوامل نے مسلم قوم کے تمدن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ بنو امیہ کے دور میں باقاعدہ غیر ملکی رسومات اختیار کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا[۱۲] اور وہ بھی ایسی رسومات جو کہ دین کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتی تھیں۔ اس کے بعد ۱۸ویں صدی کا اختتام اور ۱۹ویں صدی کا آغاز تاریخ کا وہ دور ہے جب اسلامی دنیا پر مغربی قوموں کی ہوسِ ملک

گیری کے سیلاب نے مغربی رسومات و فیشن کی یلغار مار کردی۔ ۱۹ویں صدی کے نصف آخر تک مسلمان قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں۔ (۱۳)

لیکن جب ۲۰ویں صدی کے آغاز میں مسلمان قوموں نے اپنی آزادی واپس لی تو مسلم قومیں علاقائی آزادی حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئیں لیکن ذہنی طور پر وہ آج تک مغربی قوموں کی غلام ہیں اور موجودہ مسلم معاشرہ مولانا مودودیؒ کے ان الفاظ کی مکمل عکاسی کرتا ہے کہ

"..... مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اتار لیں اور اس آئینہ کی طرح بن جائیں جس کے اندر باغ و بہار کے مناظر تو سب کے سب موجود ہوں مگر در حقیقت نہ باغ ہو نہ بہار۔" (۱۴)

آج ہم نے فیشن اور ترقی کے الفاظ کو ہم آہنگ کر دیا ہے اور ہمارے معاشرے کے مسلمان حضرات و خواتین فیشن کو ہی ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں' حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر فیشن اور ترقی لازم و ملزوم ہوتے تو قرونِ اولیٰ کے مسلمان اکیسویں صدی کے مسلمانوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور علوم پر عبور رکھنے والے کیونکر ہوتے؟

مصری مفکر سید محمد قطب موجودہ دور کو جدید جاہلیت کا نام دیتے ہیں اور فرماتے ہیں :

"جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی اور زیادہ سخت گیر ہے کیونکہ یہ ایک علمی' بحث و نظریات کی جاہلیت ہے۔" (۱۵)

جیسے کہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیت بھی اس جاہلیت پر دلیل دیتی ہے کہ:

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں' ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں' وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں۔" (الاعراف : ۱۷۹)

اور میرے خیال میں فیشن جاہلیت جدیدہ کی ایک اہم شاخ ہے جو کہ باوجود اس کے کہ بظاہر بہت روشن خیال معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت اُن اصولِ فطرت سے بہت دور ہے جو اخلاقِ عالیہ کی نشوونما کرتے ہیں۔ آج ہم اپنی ماؤں' بہنوں' بیٹیوں کو فیشن کرنے کی اجازت دے کر اپنے آپ کو روشن خیال ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اس روشن خیالی کے

دُور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ فیشن کے نام پر پوری قوم تباہی کے راستے پر چل نکلی ہے اور یہ درحقیقت دشمنانِ اسلام کا منصوبہ ہے جس کو ہم بخوشی عملی جامہ پہنا رہے ہیں' جیسے کہ امریکی یہودی مصنف مور برجر اپنی کتاب "آج کی عربی دنیا" میں لکھتا ہے :

"معاشرے کو بے دین بنانے میں عورت زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔"(۱۶)

کیونکہ بچے کی تربیت کا آغاز گھر سے ہوتا ہے اور گھریلو امور کی سربراہ عورت ہے۔ اور آج کی عورتوں کی کثیر تعداد نے مغربی تعلیم تو حاصل کر لی لیکن مذہبی تعلیم سے وہ بہت دور ہیں۔ مور برجر اپنی کتاب میں مسلم عورت کی دین سے اس لاتعلقی کے فائدے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے کو بے دین بنانے میں حد درجہ مفید ہے۔"(۱۷)

آج کا پاکستانی معاشرہ فیشن کے مقابلے کی دوڑ میں شامل ہے۔ آج خوش لباسی کی جگہ دکھاوا اور فضول خرچی آگئی ہے۔ شادی بیاہ پر لاکھوں روپے عروسی ملبوسات پر خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ اپنے ملبوسات کی تیاری میں ہم مغربی ممالک کی نقالی کرتے ہیں اور اس وجہ سے عریانیت ہمارے لباس کا حصہ بنتی جا رہی ہے۔ اور خواتین اور مردوں کے لباس میں بہت کم تخصیص رہ گئی ہے' حالانکہ حدیث نبویؐ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ

"حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے' لعنت فرمائی ہے۔" (ابو داؤد)

آج کا نام نہاد مسلمان اپنے ہر فعل پر یہ دلیل دیتا ہے کہ اگر نیت بُری نہ ہو تو ان کاموں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ آج ہمارے پاس ہر فیشن کے حق میں ڈھیروں دلائل موجود ہیں' جیسے کہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں کہ ﴿...وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ "اور خود کو ہدایت یافتہ خیال کر رہے ہیں"۔ حالانکہ جاہلیت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

ہم اپنے لباس کے طور طریقے میں مسلم تمدن سے بہت دور ہٹتے جا رہے ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جن کی نقالی میں ہم ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں ان سے آگے نکل کر تباہی کے گڑھے میں ان سے پہلے نہ گر جائیں۔ ہم' جنہوں نے اس وطن عظیم کو دین الٰہی کے قیام کے لئے حاصل کیا تھا اگر اپنے وعدے کو پورا کرنے میں کاہلی برتی تو دیکھیں گے کہ غیر

اقوام اللہ کے دین کو قائم کرنے لئے اُٹھ رہی ہیں' جیسے کہ اللہ کی سنت بھی یہی ہے اور قرآنی آیات بھی اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۳۲'۱۳۳)

"ہاں' اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں' اور کارسازی کے لئے بس اللہ کافی ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔"

ہمیں چاہئے کہ ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ انفرادی' اجتماعی اور حکومتی سطح پر اسلامی تمدن اور روایات کو اپنائیں۔ ورنہ کہیں یہ نہ ہو کہ ہم نام نہاد مسلمان دیکھتے رہ جائیں اور امریکہ و پیرس جہاں سے فیشن کا آغاز ہوتا ہے وہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔

قرآن اکیڈمی

حواشی

۱) محسن انسانیت' نعیم صدیقی' ص ۹۱ ۲) محسن انسانیت' نعیم صدیقی' ص ۹۰

۳) روایت ابن عمر بحوالہ احمد و ابوداؤد

۴) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ (ترمذی) عن ابی الاحوص عن ابیہ (نسائی)

۵) اصحاب النبیؐ' ڈاکٹر ایم ایس ناز' ص ۸۰۵ ۶) راہِ عمل' مولانا جلیل احسن ندوی' ص ۱۹۹

۷) سیرت محمد ﷺ' محمد فاروق کمال' ص ۵۸۶

۸) سیرت محمد رسول اللہ ﷺ' محمد فاروق کمال' ص ۴۳۸ (جیلانی)

۹) *Oxford Dictionary, Second Edition, Page : 431*

۱۰) *Merit Student Encyclopeadia, Volume Page 7, : 477*

۱۱) ترجمہ تاریخ اسلام' سید امیر علی' ص ۵۴-۵۵

۱۲) تاریخ اسلام' سید امیر علی' ص ۶۰' ترجمہ سید الطاف حسین گیلانی۔

۱۳) "پردہ" مولانا مودودی' ص ۳۲-۳۱

۱۴) "پردہ" مولانا مودودی' ص ۳۲ ۱۵) جدید جاہلیت' از محمد قطب' ص ۱۵

۱۶) جدید جاہلیت' محمد قطب' ص ۲۹۵'۲۹۶ ۱۷) حوالہ سابقہ

اشاعت خاص۔ /۳۰ روپے، عام۔ ۱۰ روپے

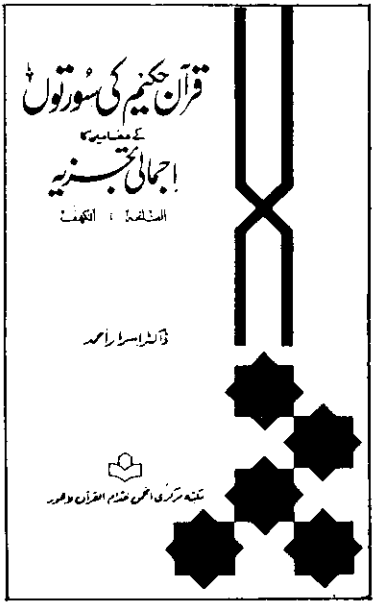

اشاعت خاص۔ /۶۰ روپے، عام۔ /۲۵ روپے

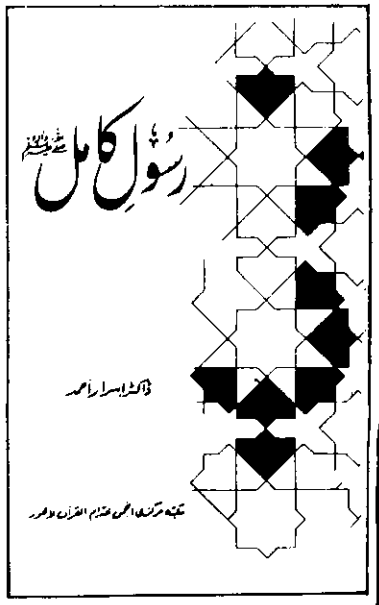

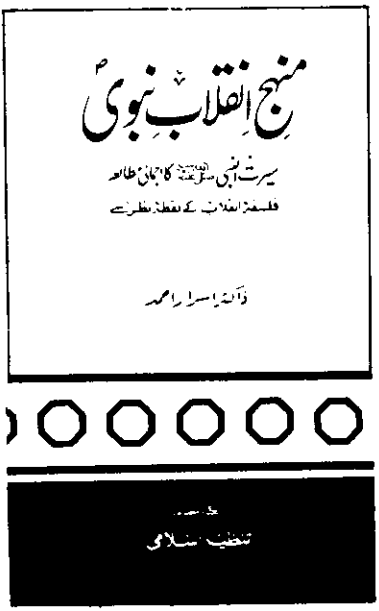

اشاعت خاص۔ /۱۶۰ روپے، عام۔ /۱۴۰ روپے

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 7
July 1999

صوفی سن فلاور کوکنگ آئل
سورج مکھی کے اعلیٰ بیجوں سے تیار کردہ

SUFI

صوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
حمزہ ویجیٹیبل آئل ریفائنری اینڈ گھی ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Head Office: 39-Fleming Road, Lahore, Pakistan.
Tel: 7225447-7221068-7244951-3
Fax: 92-42-7239909 & 92-42-7311583